Scanned with CamScanner

پاکستانی ادب کے معمار

ڈاکٹر سیّد عبداللہ
شخصیت اور فن

ڈاکٹر روبینہ شاہین

اکادمی ادبیات پاکستان

نگرانِ اعلیٰ	افتخار عارف
منتظم	محمد انور خان
تدوین وطباعت	سعیدہ درانی
سکیچ	احمد حبیب
اشاعت	2007
تعداد	500
ناشر	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	پوسٹ آفس فاؤنڈیشن پریس، اسلام آباد
قیمت	مجلد:-/150 روپے
	پیپر بیک:-/140 روپے

ISBN: 978-969-472-222-1

پیشِ نظر کتاب ہمارے واٹس ایپ گروپ کے سکالرز کی طلب پہ سافٹ میں تبدیل کی گئی ہے۔ مصنفِ کتاب کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ سافٹ بنانے والوں کے حق میں دعائے خیر کی استدعا ہے۔

زیرِ نظر کتاب فیس بک گروپ ''کتب خانہ'' میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔
گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share

میر ظہیر عباس روستمانی

03072128068

فہرست

پیش نامہ

اکادمی ادبیات پاکستان نے 1990 میں پاکستانی زبانوں کے ممتاز تخلیق کاروں کے بارے میں ''پاکستانی ادب کے معمار'' کے عنوان سے ایک اشاعتی منصوبے پر کام شروع کیا تھا۔ معماران ادب کے احوال و آثار کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے یہ کتابی سلسلہ بہت مفید خدمات انجام دے رہا ہے۔ اکادمی، پاکستان کی تمام زبانوں کے نامور ادیبوں، شاعروں، افسانہ نگاروں اور نقادوں کے بارے میں کتابیں شائع کر رہی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اردو زبان و ادب کے عہد ساز نقاد، محقق اور استاد تھے۔ دنیائے علم و ادب میں ان کی فاضلانہ اہمیت سے ایک زمانہ واقف ہے۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، نقدِ میر، اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، مباحث، اشارات تنقید، ولی سے اقبال تک، پاکستان: تعبیر و تعمیر، وجہی سے عبدالحق تک، کلچر کا مسئلہ، اطراف غالب، اعجاز اقبال اور ان جیسی متعدد دوسری عالمانہ تصانیف اردو زبان و ادب کے طلبہ کے لیے ہمیشہ معتبر و مستند کتب حوالہ کے طور پر مقبول رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان و ادب کی اعلیٰ سطح کی تعلیم کے لیے نصابی نوعیت کی کتب کی ترتیب و تالیف کے حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ کا شمار اولین بنیادگزاروں میں ہوتا ہے۔

اردو دائرۂ معارف اسلامی کے صدر نشیں اور مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر صاحب نے اردو زبان و ادب کی آبیاری کے لیے جس خلوص اور جانفشانی سے دن رات ایک کر کے کام کیا، ہمارے لیے اور آنے والے زمانوں کے لیے ایک مثالیے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر روبینہ شاہین صاحبہ اردو کی معروف نقاد اور محقق ہیں۔ انہوں نے اکادمی ادبیات پاکستان کے لیے ''ڈاکٹر سید عبداللہ: شخصیت اور فن'' لکھ کر بہت بڑا کام کیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر سید عبداللہ کی شخصیت

اور فن کو متعارف کرانے اور ان کے کام کو سمجھنے، سمجھانے میں یقیناً معاون ثابت ہوگی۔

مجھے یقین ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کا اشاعتی منصوبہ "پاکستانی ادب کے معمار" ادبی حلقوں کے علاوہ عوامی سطح پر بھی پسند کیا جائے گا۔

افتخار عارف

پیش لفظ

ڈاکٹر سید عبداللہ کا شمار اردو ادب کے اہم اکابرین میں ہوتا ہے۔ اگر ان معدودے چند لوگوں کا نام لیا جائے جنہوں نے اردو زبان و ادب کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بلکہ پوری زندگی بنایا تو ان میں ڈاکٹر سید عبداللہ کو ضرور شامل کیا جائے گا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کی ذاتی زندگی کے چند پہلوؤں، ان کی تصانیف اور بحیثیت نقاد ان کے مقام و مرتبے کے تعین کی کوشش اختصار کے ساتھ کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک معروف، متحرک اور بھرپور زندگی بسر کی اور کئی محاذوں پر بیک وقت ڈٹے رہے۔ نفاذ اردو کی عملی کاوشیں، حکومتی اور انتظامی سطح پر اردو کو اس کا صحیح مقام دلانا، ملازمتی فرائض، تدریسی و تحقیقی سرگرمیاں، مختلف اہم کانفرنسوں کا انعقاد، اس سب کے علاوہ عربی اور فارسی زبان کی خدمت، یہ سب ڈاکٹر سید عبداللہ کی زندگی کا منظر نامہ ہے۔ میری کوشش رہی کہ اس منظر نامے کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کر سکوں۔

اس کتاب کی تکمیل میں محترمہ سعیدہ درانی کی راہنمائی، میرے شوہر پروفیسر شاہ جہان کی عملی کوششوں اور میرے کمپوزر مشہود کا اہم حصہ ہے۔ ان سب کا شکریہ مجھ پر لازم ہے۔

ڈاکٹر روبینہ شاہین

سوانحی خاکہ اور شخصیت

اصل نام: سید محمد عبداللہ

قلمی نام: ڈاکٹر سید عبداللہ

والد کا نام: حکیم سید نور احمد شاہ

تاریخ پیدائش: ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء

مقام پیدائش: ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) علاقہ تناول کا ایک گاؤں منگور

مقام تاریخ وفات: ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء، لاہور

تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے والد سے، پرائمری (منگور)، مڈل (مانسہرہ) نویں جماعت (ایبٹ آباد) دسویں جماعت اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی دروازہ، لاہور لیکن امتحان پرائیویٹ (۱۹۲۳ء)، منشی فاضل ۱۹۲۲ء، ایف اے دسمبر ۱۹۲۳ء، بی اے اپریل ۱۹۲۴ء، ایم اے فارسی ۱۹۲۵ء، ایم اے عربی ۱۹۳۲ء، لائبریری سرٹیفکیٹ ۱۹۳۴ء، جرمن سرٹیفکیٹ ۱۹۳۲ء، ڈاکٹر آف لٹریچر ۱۹۳۵ء (۱۹۲۱-۲۲ء میں جامعہ اسلامیہ علیگڑھ میں بھی رہے)

مصروفیات

۱۔ فہرست ساز مخطوطات، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۷ء
۲۔ الفرڈ پٹیالہ فارسی ریسرچ سکالر ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۹ء
۳۔ خصوصی فارسی سکالر ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۱ء
۴۔ مہتمم شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۸ء
۵۔ جونیئر لیکچرار فارسی، اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۳۸ء تا ۱۹۳۹ء
۶۔ لیکچرار اردو، اورینٹل کالج لاہور ۱۹۴۰ء مابعد
۷۔ ریڈرار دو، اورینٹل کالج لاہور ۱۹۴۵ء مابعد
۸۔ صدر شعبہ اردو، اورینٹل کالج لاہور ۱۹۴۸ء مابعد
۹۔ یونیورسٹی پروفیسر اردو، ۱۹۵۳ء مابعد
۱۰۔ پرنسپل، اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۶ء
۱۱۔ استاد و صدر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۲ء مابعد
۱۲۔ مدیر، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۶ء
۱۳۔ صدر اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۶ء تا ۱۹۸۶ء
۱۴۔ رکن اورینٹل فیکلٹی ۱۹۳۹ء تا ۱۹۶۶ء
۱۵۔ رکن سنڈیکیٹ (کئی سال)
۱۶۔ رکن سینیٹ
۱۷۔ رکن اکیڈمک کونسل ۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۶ء
۱۸۔ رکن بورڈ آف گورنرز (اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی)
۱۹۔ اعزازی چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۴ء
۲۰۔ اعزازی ناظم، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۳ء تا ۱۹۸۶ء

۲۱۔ رکن انٹر یونیورسٹی بورڈ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء
۲۲۔ معتمد عمومی، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۵۶ء تا ۱۹۸۶ء
۲۳۔ رکن ترقی اردو بورڈ، کراچی
۲۴۔ رکن مرکزی اردو بورڈ، لاہور
۲۵۔ ٹرسٹی انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی
۲۶۔ رکن مجلس ترقی ادب، لاہور
۲۷۔ رکن مرکزی رائٹرز گلڈ
۲۸۔ رکن بزم اقبال، لاہور
۲۹۔ رکن مجلس زبان دفتری، لاہور
۳۰۔ اعزازی پرنسپل و بانی، اردو کالج، لاہور
۳۱۔ رکن ہیئت حاکم، مقتدرہ قومی زبان
۳۲۔ رکن اساسی اکادمی ادبیات پاکستان
۳۳۔ رکن صد سالہ جشن اقبال کمیٹی
۳۴۔ رکن مجلس منتظمین، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

اہم کانفرنسیں جن میں شرکت کی

۱۔ جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم تاریخ کانفرنس پشاور ۱۹۴۵ء
۲۔ جنرل سیکرٹری اردو کانفرنس پنجاب یونیورسٹی ۱۹۴۸ء
۳۔ جنرل سیکرٹری کل پاکستان بین الاقوامی اورینٹل کانفرنس ۱۹۵۵ء
۴۔ جنرل سیکرٹری اردو ذریعہ تعلیم کانفرنس لاہور ۱۹۶۰ء
۵۔ صدر استقبالیہ اردو تدریس کانفرنس، لاہور ۱۹۶۱ء
۶۔ رکن قومی زبان کانفرنس، لاہور ۱۹۶۳ء
۷۔ جنرل سیکرٹری، عربی کانفرنس لاہور ۱۹۶۳ء
۸۔ صدر مجلس تجاویز اردو تدریس کانفرنس، کراچی ۱۹۶۳
۹۔ صدر استقبالیہ دفتری زبان کانفرنس، لاہور ۱۹۶۵ء
۱۰۔ جنرل سیکرٹری، عربی قاری کانفرنس، لاہور ۱۹۶۶ء

پیدائش /تعلیم وتربیت/حالات زندگی

ڈاکٹر سید عبداللہ کے والد حکیم سید نور احمد شاہ موضع منگور، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ وہ عالم اور طبیب تھے۔ سید عبداللہ کی پیدائش اسی گاؤں میں ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو ہوئی۔ نہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن مجید کے ساتھ اردو کی درسی کتابیں، حساب، خوش خطی، ابتدائی فارسی اور خطوط نویسی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر مقامی سکول میں داخلہ لے کر پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ مڈل کا امتحان مانسہرہ کے ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول سے پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول ایبٹ آباد میں داخلہ لے لیا۔ نویں جماعت پاس کرنے کے بعد دسویں جماعت میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے اسلامیہ ہائی سکول نمبر۲ (بھاٹی دروازہ) میں داخلہ لے لیا۔ ایک سال س سکول میں پڑھتے رہے۔ جب داخلہ بھیجنے کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ ان کی عمر پندرہ سال سے دو تین ماہ کم ہے، اس لئے امتحان کے لیے نام نہ جاسکا۔

سکول سے فارغ ہونے کے بعد ان کے چچا نے انہیں مدرسہ نعمانیہ (لاہور) میں داخل کروادیا، س کے ساتھ ساتھ صبح کے وقت مولانا احمد علی کے درس قرآن میں بھی شریک ہوتے رہے۔ بعد میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میں منشی فاضل کی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ کورس کی مشکلات کے باعث تین چار ماہ کے بعد اسی کالج کی مولوی عالم کلاس میں داخل ہو گئے۔ ابھی اس کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ اسی دوران لاہور میں جمعیت العلمائے ہند کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی۔ یہ زمانہ تحریک ترک موالات کا تھا۔ اس کانفرنس سے متاثر ہو کر جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ کا رخ کیا۔ وہاں ان کے اساتذہ میں خواجہ عبدالحئی فاروقی، ڈاکٹر ذاکر حسین، سید عابد حسین، ملک عبدالرؤف وغیرہ شامل تھے، اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''یہاں آنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ میں اس زمانے کی چند عظمتوں سے روشناس ہو گیا اور آنے والی زندگی میں یہ حضرات میرے لیے ایک روشن مثال کا کام دیتے رہے۔''(۱)

۱۹۲۲ء میں واپس وطن (منگور) گئے۔ پھر لاہور گئے اور منشی فاضل کا پرائیویٹ امتحان دیا جس میں کامیابی حاصل کی۔ منشی فاضل میں کامیابی کے بعد ۱۹۲۳ء کے اپریل میں میٹرک کا امتحان پاس کیا (صرف انگریزی)۔ دسمبر کے مہینے میں انٹرمیڈیٹ (صرف انگریزی) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۲۴ء کے اپریل میں بی اے (صرف انگریزی) کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال اکتوبر میں اسلامیہ کالج لاہور ایم اے فارسی میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ایم اے فارسی کا امتحان پاس کر لیا۔ اس زمانے میں ان کے اساتذہ میں پروفیسر حافظ محمود شیرانی، قاضی فضل حق، پروفیسر ایم ایم مترا، اور پروفیسر اسماعیل کے نام معروف ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں ایم اے فارسی کا امتحان پاس کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مخطوطات کے فہرست ساز مقرر ہو گئے۔

۱۹۳۲ء میں ایم اے عربی کا امتحان امتیاز سے پاس کیا۔ اس دوران میں ان کے ممتاز استاد ڈاکٹر مولوی محمد شفیع تھے۔ ۱۹۳۲ء میں جرمن سرٹیفکیٹ اور ۱۹۳۴ء میں لائبریری سرٹیفکیٹ کے امتحان پاس کیے۔ دو سال بے کاری میں گزارے۔ ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں عربی فارسی شعبے کے مہتمم (عربک اسسٹنٹ) مقرر ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر آف لٹریچر (ڈی لٹ) کی ڈگری حاصل کی۔ تحقیق کا موضوع، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ تھا۔ یہ مقالہ انگریزی میں لکھا گیا کیونکہ اس وقت پاکستان وجود میں نہ آیا تھا اور پنجاب یونیورسٹی کا آکسفورڈ سے الحاق تھا۔ بعد میں اسے اردو کے قالب میں ڈھالا گیا۔

ملازمت

سید عبداللہ پنجاب یونیورسٹی میں لائبریری میں عربک اسسٹنٹ کی حیثیت سے ۱۹۳۸ء تک کام کرتے رہے۔

۱۹۳۸ء میں ان کی تقرری اورینٹل کالج لاہور میں منشی فاضل کے استاد کی حیثیت سے ہوئی۔ ان سے پہلے یہ فرائض شاداں بلگرامی انجام دے رہے تھے۔ سید عبداللہ نے دو سال تک اسی اسامی پر کام کیا۔ ۱۹۴۰ء کے ستمبر میں شعبہ اردو میں بحیثیت لیکچرار منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے منصب میں ترقی ہوتی گئی۔ ۱۹۴۵ء میں ریڈر شعبہ اردو ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء کی اسی شعبے میں پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میں پرنسپل کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

۱۹۴۸ء میں یونی ورسٹی میں ایم۔ اے اردو کی کلاسوں کا اجرا ہوا۔ اس وقت شعبے میں سید صاحب ہی

یک مستقل استاد تھے۔ باقی اساتذہ اعزازی تھے۔ اپنے زمانہ تدریس میں سید عبداللہ نے اس شعبے کو ہر
لحاظ سے وسعت دی۔ داخلہ لینے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ تحقیقی مقالات (Thesis)
لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس سے اورینٹل کالج کی تحقیقی روایت میں نہ صرف وسعت ہوئی بلکہ
اس کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے میں بھی مدد ملی۔

۱۹۶۶ء میں پرنسپل کے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور اسی سال یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو دائرہ معارف
اسلامیہ کے صدر بنا دیے گئے۔ سید صاحب نے اپنی پوری توجہ اس کام کی رفتار کو تیز کرنے میں لگا دی۔
وہ اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں فخر محسوس کرتے تھے اور ان کی کوشش اور خواہش تھی کہ ان کی
زندگی میں اس کی تمام جلدیں شائع ہو جائیں۔ مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا منصوبہ بھی ان کی زندگی
میں بن گیا تھا۔

سید عبداللہ ۱۹۶۳ء میں یونی ورسٹی میں ادارہ تالیف و ترجمہ کے اعزازی ناظم مقرر ہوئے اور آخر تک
(۱۹۸۶ء) اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۵۶ء میں انہوں نے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے معتمد عمومی
کے فرائض بھی انجام دیے۔

جب وہ اورینٹل کالج کے با اختیار پرنسپل اور شعبہ عربی کی کرسی صدارت پر بھی فائز تھے۔ اس وقت
شعبہ عربی میں ایک تقرری کی گئی۔ انہیں اس تقرری پر اعتراض نہ تھا لیکن یہ تقرری ان کے علم میں لائے
بغیر ہوئی تھی جس کا انہیں بے حد رنج تھا۔ ایسی صورت حال میں انہوں نے ایک خاموش مگر تکلیف دہ
فیصلہ کرتے ہوئے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ یہ فیصلہ سب کے لیے حیران کن اور چونکا دینے والا تھا۔ ان پر
یہ فیصلہ واپس لینے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔

بہر حال اس ناخوشگوار واقعے کی تلافی کے لیے انہیں شعبہ تاریخ ادبیات کی سرپرستی اور دائرہ
معارف اسلامیہ کی سربراہی کی پیشکش کی گئی۔ انہیں ان فرائض کی ذمہ داری قبول کرنے میں تامل تھا۔
بالآخر وہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی سربراہی کے ساتھ شعبہ ترجمہ و تالیف اور شعبہ تاریخ ادبیات
کے علمی کاموں میں دلچسپی پر رضامند ہو گئے اور اپنی بیماری تک اس کام میں مصروف و مشغول رہے۔

اردو سے محبت اور نفاذ اردو کے لیے کوشش

قومی زبان ''اردو'' کی ترویج اور فروغ کے بارے میں سید عبداللہ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔
۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج کے خلاف تحریک کا بڑی حوصلہ مندی اور جرأت کے ساتھ مقابلہ
کیا۔ ۱۹۵۴ء میں کالج کے یوم تاسیس کا آغاز کیا۔ اس تقریب کے موقع پر سید عبداللہ کا خطبہ السنۂ شرقیہ

کے دفاع میں ان کے موقف کی بھرپور وضاحت کرتا تھا۔ اس سلسلے میں شہر کے ادیب ، عالم وکیل اور فنون مشرقی سے دلچسپی رکھنے والے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔ اس وجہ سے کالج کے بارے میں عام رائے بہتر ہونے لگی ۔ جس زمانے میں وہ پرنسپل تھے اس دور میں کئی کانفرنسیں بھی کروائیں۔ اس طرح اردو اور علوم شرقیہ کے حق میں ان اجتماعات کو اس طرح استعمال کیا گیا کہ ان کے خلاف اُٹھنے والی تحریکات خود بخود ختم ہونے لگیں۔

اس ادارے کا بنیادی مقصد سائنسی کتب کو اردو میں لکھوانا اور شائع کرنا تھا چنانچہ ان کی کوششوں سے اکیڈمی کی طرف سے ۶۴ کتابیں (بشمول چند پمفلٹ) شائع کی گئیں۔ نفاذ اردو کے لئے اکیڈمی کے زیر اہتمام اور سید عبداللہ کی دیگر کاوشیں بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً ان میں اردو انجمنوں کی سالانہ مجلس مشاورت ، اردو انجمنوں کی سالانہ کانفرنس ، قومی زبان کانفرنس ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء ، مذاکرہ قائداعظم کانفرنس ۱۱ دسمبر ۱۹۷۶ء ، علامہ اقبال اردو کانفرنس ۲ تا ۹ نومبر ۱۹۷۷ء ، قومی زبان کانفرنس ۴، ۵ اپریل ۱۹۷۷ء اور اردو کانفرنس جون ۱۹۷۹ء شامل ہیں۔ انہوں نے عام روزمرہ زندگی میں اردو کے نفاذ کے لئے عملی کوششیں کیں مثلاً موٹر گاڑیوں کے نمبر، دکانوں کے سائن بورڈ، مکانوں کے نام، عید کارڈ، ملاقات نامے اور ہوٹلوں کا کاروبار وغیرہ اردو میں کرانے کے لئے اردو مندوبین کا جلوس ۱۹۶۵ء میں نکالا گیا۔ اردو کے نفاذ کے سلسلے میں حکومتی اعلانات سے متعلق محضرنامے چھپوا کر حکومت کو یاددہانی کے طور پر ارسال کیے گئے ۔ وہ خود اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> ''اردو کے لیے دستخطی مہم، سائن بورڈ بدلوانے کی تحریک، ہوٹلوں کی زبان بدلوانے کی تحریک، دفتری زبان بدلوانے کی تحریک، خیرسگالی سفر کی تحریک اردو ذریعہ تعلیم کورواج دینے کی مہم میں اب بھی منہمک ہوں۔''(۲)

ڈاکٹر سید عبداللہ کی شخصیت کا نمایاں عنصر ان کی اسلام اور پاکستان سے محبت ہے۔ ان کے ہاں شروع ہی سے اخذ واکتساب کا عمل جاری وساری رہا۔ وہ تاریخ وثقافت اور تحریکات وشخصیات سے استفادہ کرتے رہے اور اپنے شعور کی لو کو بڑھاتے رہے اور آخر ان کو اپنی وہ منزل مل گئی جسے مذہب کی روشنی اور وطن کی محبت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ان کی تحریروں میں اپنی اسلامی ثقافت کا پرچار، دفاع اور وطن عزیز سے بے پناہ محبت کا اظہار جا بجا ملتا ہے۔ ان کے نزدیک پاکستانیت اسلامیت کا مقامی نقش ہے۔ عملی لحاظ سے پاکستانیت کا مطلب ہوگا پاکستان سے محبت، اس بنا پر کہ یہ وہ خطہ ہے جو ہمیں ایک مخصوص دین، ایک مخصوص طرز زندگی اور مخصوص تاریخی احوال کی بناء پر حاصل ہوا۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ نہ صرف خود ان کوائف سے مستفید ہوں بلکہ اس کی اقدار کو ایک تہذیبی اور روحانی تجربے کے طور پر آگے پھیلائیں۔ لیکن یہ بات اتنی آسان نہیں، اس راہ میں بڑی دشواریاں ہیں جن کی نشاندہی

نبیل ملک ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس وقت ہمارا ملک سامراجیت، اسلامیات اور اشتراکیت کے تہرا ہے پہ کھڑا ہے۔ ہمارے سینوں میں قرآن بستا ہے۔ دماغوں میں غفلت و سرمایہ کی آویزش جاری ہے اور نظریں مغرب کی مادہ پرستی اور نقالی سے خیرہ ہیں۔۔۔ ہماری منزل کون سی ہے؟ پاکستانیت۔ مگر پاکستانیت کیا ہے؟ یہ وہ عقیدہ ہے جو اپنی کشور کے لیے کس جاذب شخصیت کے ناخن تدبیر کا منتظر ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی تحریروں پر اول تا آخر مسلم تہذیب وثقافت، زبان وادب، فکر ونظر اور علم وعمل کی چھاپ گہری ہے۔''

سید عبداللہ کا زندگی بھر کا ایک بھرپور مشن نفاذ اردو بھی رہا ہے۔ کوئی چیز انہیں اپنے موقف سے نہ ہٹا سکی، ایک قوم سخت نامساعد حالات میں پاکستان بنا کر تاریخ انسانی کا ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیتی ہے اور اس کے حصول کے وقت اس کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں قومی زبان اردو ہوگی۔ پھر اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اردو زبان کی قسمت نہیں سنور سکی۔ ہم ان خوش قسمت قوموں میں سے ہیں کہ وطن بعد میں ملا اور زبان پہلے ملی۔ اس کے لیے علمی وعملی کوششیں کیں اور ہر سطح پر نفاذ اردو کے لیے دن رات کوشش کی۔ اس طرح ان کا شمار اردو کے ان ادیبوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے اردو کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔

بیماری اور وفات

۹ مارچ ۱۹۸۶ء کو شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اپنے دفتر میں اور اپنے ایک عزیز شاگرد اور قریبی دوست غلام حسین ذوالفقار کو خط لکھ رہے تھے کہ ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ انہیں میو ہسپتال لاہور میں داخل کرایا گیا۔ کئی روز تک سخت نگہداشت میں رکھے گئے۔ بعد میں اپنی رہائش گاہ الماسن (اردو نگر، ملتان روڈ لاہور) میں آگئے۔ کئی ماہ تک اس مرض میں مبتلا رہے۔ آخر آزادی کے دن ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو یہ نامور استاد، ادیب، صحافی، عالم اور محسن اردو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ۱۵ اگست ۱۹۸۶ء کو ان کا جسد خاکی گلشن راوی لاہور کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

ڈاکٹر سید عبداللہ کی

تصنیفی وتدریسی مصروفیات

عمر کے آخری حصے میں انہیں کم سنائی دینے لگا تھا۔ اس معمولی عارضے کے علاوہ انہوں نے ایک ندرست اور بھرپور زندگی گزاری۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا زیادہ تر وقت تصنیف وتالیف یا تعلیم وتدریس میں گزرتا تھا۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ انہیں پندرہ سال کی عمر میں اقبال کا بیشتر کلام از بر ہو گیا تھا۔ اس مانے میں انہیں قومی اور سیاسی شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔

لکھنے کی ابتداء ۱۹۲۲ء کے قریب ہوئی۔ تحریک خلافت میں تھوڑی مدت کے لیے اسیر ہو گئے۔ رہائی کے بعد اپنے گاؤں ''منگلور'' میں دو تین ماہ قیام کیا۔ سہ روزہ اخبار ''جاٹ'' نکالا۔ جس میں وہ 'زبیر کہستانی'' کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ اس میں 'زمیندار' 'مدینہ' اور 'نجات' کی خبریں نقل کرتے ور ایک مضمون خود لکھتے۔ اس کو گاؤں کی مسجد میں رکھا جاتا۔ خواندہ لوگ فرصت کے وقت اسے پڑھ لیتے۔ گاہے گاہے اس کو خود بھی پڑھ کر سناتے۔ اخباری مضمون نگاری کا آغاز ۱۹۲۷ء میں ہوا۔ میندار میں ''داستان گو'' اور دوسرے قلمی ناموں سے لکھتے رہے۔ 'انقلاب' میں بھی کئی مضامین لکھے۔ 'صحیفہ زندگی'' کے نام سے روزنامچہ لکھنا شروع کیا۔ جس کے کچھ اجزا بعد میں اختر شیرانی کے رسالہ 'خیالستان''، اور چراغ حسن حسرت کے رسالہ ''شیرازہ'' میں چھپتے رہے۔ (۴)

ہر نئے لکھنے والے کی طرح ڈاکٹر صاحب کی زندگی نے بھی کئی کروٹیں لیں۔ مختلف اوقات میں آپ مختلف شخصیات سے متاثر ہوئے اور یہ اثر ان کی تحریروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی ادبی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور میں جوانی کے تقاضوں نے آپ کو جذباتی بنادیا۔ لیکن اعتقادی گرفت نے ان کی جذباتیت کو مذہبی حصار پھاندنے کی جرأت نہ دی۔ ن دنوں آپ مولانا ظفر علی خان کی نظم ونثر اور تحریر وتقریر سے بے حد متاثر تھے یا پھر شبلی مرحوم کی وشبلی نظمیں انہیں پسند تھیں۔ انہی ایام میں کچھ دن جامعہ ملیہ میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے زیر تربیت

رہنے کا موقع ملا۔ مولانا کی اس چند روزہ قربت نے ان کے نظریات میں انقلاب برپا کر دیا۔ قومیت کے جذبہ سے دل سرشار ہوگیا۔ حریت و آزادی کے جذبات کا طوفان امڈ آیا اور سامراج دشمنی ان کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ بقول فارغ بخاری، اسی زمانہ میں ''اقبال کی سیاسی موت'' کے عنوان سے علامہ اقبال کے خلاف ایک مضمون لکھا۔ یہ مضمون علامہ مرحوم کے متضاد سیاسی نظریات اور انگریزوں سے میل جول بڑھانے سے متاثر ہو کر لکھا گیا۔(۵)

دوسرے دور میں آپ پورے انتہا پسند تھے۔ ملک کی انقلابی جماعت نوجوان بھارت سبھا کی پالیسی سے آپ کو پورا اتفاق تھا۔ اس عہد میں آپ نے معرکے کے سیاسی اور ادبی مضامین لکھے جن میں سے ''بغاوت'' ''غلامی کا پہلا دن'' اور ''شاعری اور قومی خدمت'' بڑی انقلاب انگیز تحریریں تھیں۔ اس وقت ماحول اتنا ترقی پسند نہ تھا کہ اس قبیل کی انقلابی چیزیں برداشت کی جاسکتیں چنانچہ حکومت کے علاوہ مذہبی اور سیاسی حلقوں میں بھی کھلبلی مچ گئی اور آپ کے خلاف الحاد کے فتوے تراشے جانے لگے۔ مولانا غلام رسول اور عبدالمجید سالک کی سیاسی سوجھ بوجھ کے آپ بہت قائل تھے لیکن ''انقلاب'' کے اجرا کے بعد ان کی پالیسی نے پلٹا کھا کر جو فرقہ ورانہ رنگ اختیار کر لیا۔ اس سے آپ کو بہت شاق ہوا اور آپ نے اپنی تمام عقیدت مندی کے باوجود ان کے خلاف بھی ''زمیندار'' میں ایک مقالہ لکھ دیا۔ غرض یہ کہ اس دور میں آپ کا ذہن پورا ترقی پسند تھا اور پوری بے باکی سے اپنے خیالات کا پرچار کرتے رہے۔

تیسرے اور آخری دور میں تحقیق و تجسس کے ذوق نے آپ کو مقصدیت سے زیادہ فنی اقدار کا پرستار بنا دیا۔ انھوں نے ایک بھرپور اور ہنگامہ پرور زندگی گزاری۔ کانفرنس، مشاعرے، تدریسی سیمینار، غرض انھیں خود ان میلوں سے دلچسپی تھی اور وہ ایک بہترین منتظم بھی تھے۔ ان کے بارے میں ان کے شاگرد اور رفیقِ کار غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> ''مجھے اکثر کہا کرتے کہ کانفرنس کے بغیر زندگی کچھ بے کیف ہو چلی ہے۔ ان کے شعور نے خلافت تحریک کے دوران آنکھ کھولی تھی۔ پھر مجلس احرار کی ہنگامہ خیز سیاست ان کی دلچسپی کا مرکز بنی اور یہ وہ تربیت گاہیں تھیں جہاں کا فارغ التحصیل اجتماعی زندگی کے ہنگاموں سے بے نیاز ہو کر کبھی فارغ و بیکار نہیں بیٹھ سکتا۔''(۶)

ڈاکٹر سید عبداللہ کو کانفرنسیں منعقد کرانے کا شوق تھا اور انتظامی امور میں مہارت بھی حاصل تھی۔

"پاکستان اورینٹل کالج کانفرنس" اس سلسلہ کی اہم کانفرنس تھی جو ۲۸ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوئی۔ وہ خوداس کے جنرل سیکریٹری تھے۔ یہ اپنی نوعیت کی منفرد اور پہلی کانفرنس تھی۔ اُسے دوسری تمام کانفرنسوں میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ یہ کئی شعبوں پر بیک وقت مشتمل تھی۔ یعنی علوم اسلامی، فارسی، اردو، عربی، قبالیات، طب، تاریخ وثقافت، علوم وفنون، صحافت اور ملکی زبانیں اس کے احاطے میں تھیں۔ اس کا میدان عمل وسیع تھا۔ یہ ملکی سرحدوں سے پار، سارے ایشیاء کو سمیٹے ہوئے تھی اور سب کے لیے مقام تصال پاکستان تھا۔ علاقائی بولیوں پشتو، سندھی، پنجابی اور بلوچی کی اہمیت اور حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان علاقائی زبانوں کا الگ شعبہ بنانے کی سفارش کی گئی، جس میں سترھویں صدی کے پشتو کے ممتاز فنکار، سندھی ادب، شاہ عبداللطیف بھٹائی کا نظریہ توحید، ہیر وارث شاہ کا ادبی مقام اور خوشحال خان خٹک کے موضوعات پر مقالات پیش ہوئے۔

ان کا حلقۂ احباب بھی وسیع تھا۔ اپنا مکان "المامن" بنانے سے پہلے وہ ریلوے روڈ پر دارالاشاعت کے بالاخانے میں رہائش پذیر تھے، جس کے سامنے سبزی منڈی تھی۔ یہ لگ بھگ ۱۹۵۳ء کا زمانہ تھا۔ یہاں سے کالج آمدورفت تانگہ سے ہوتی۔ بعد میں موٹر کار خرید لی تھی۔ کچھ عرصے بعد اس موٹر کار نے اپنے ساتھ انھیں بھی گوالمنڈی کے پرہجوم علاقے اور چاندنی چوک سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ آزادی کے بعد اس چوک میں تکے کبابوں کے اضافے کے ساتھ دودھ، دہی اور حلوائیوں کی دکانیں بدستور رہیں اور شام کے بعد شہر کا یہ حصہ روشن تر ہوتا جاتا تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی اہلیہ اسے "چاندنی چوک" کہا کرتیں۔ بیگماتی زبان کی تقلید میں سید صاحب بھی اسے "چاندنی چوک" کہا کرتے تھے۔ اس چوبارے میں جہاں سید صاحب مقیم تھے وہاں کی ایک روایت بن گئی تھی کہ اتوار کی سہ پہر سارے احباب جمع ہو جاتے۔ کباب کھاتے، خوش گپیوں میں مصروف ہوتے، چائے کے دور میں علم وادب، تصنیف وتالیف، ادبی چٹکلے اور لطیفہ بازی ہوتی۔ اس مجلس کے مستقل اراکین میں ابوالخیر عبداللہ، شیخ عبدالماجد اور شریف پٹی تھے اور کبھی کبھار مرزا ادیب، ڈاکٹر وحید قریشی، عبدالمالک، اور اقبال حسین بھی شامل ہو جاتے۔ اول الذکر حضرات سید عبداللہ کے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی تھے، اس لیے ان کے ساتھ خاص بے تکلفی تھی۔

سید عبداللہ کی بہترین صلاحیتوں میں سنجیدگی، وقار، انتظامی اُمور کی نگرانی، تدریسی مہارت، تحقیقی وتنقیدی دیانتداری شامل ہیں۔ بحیثیت انسان نوجوانی میں شوخی وشرارت کا عنصر بھی تھا اور یہ عنصر بعض اوقات اتنا غالب آ جاتا کہ عملی مزاح سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ قابلِ توجہ ہے، جسے

غلام حسین ذوالفقار نے بیان کیا ہے:

''شوخی وطراری کا واقعہ آپ بھی سن لیجیے کہ میں نے اسی بزم میں سنا تھا، ایک دفعہ ایک دوست کسی امتحان کی تیاری کر رہے تھے اور کتابیں لے کر مستی دروازے سے باہر کھلے میدان میں اکثر سارا سارا دن پڑھا کرتے تھے۔ ابوالخیر عبداللہ تہہ بند باندھ کر مطالعے میں جت جاتے۔ ایک روز سید عبداللہ کو جانے کیا شرارت سوجھی۔ یہ کھڑے باتیں کر رہے تھے، اچانک مستی کے عالم میں انھوں نے ابوالخیر کے تہ بند کے پلو کو کھینچا اور تہ بند لے کر یہ جا وہ جا، دور بھاگ گئے۔ ابوالخیر بچارے آگے پیچھے ہاتھ رکھے اپنا ستر چھپاتے رہ گئے۔ نہ بھاگ کر سید عبداللہ کو پکڑ سکیں کہ فربہ اندام تھے اور تنگ دھڑنگ، نہ کوئی چیز پاس تھی کہ پہن سکیں اور سید عبداللہ اس لیے قریب نہ آئیں کہ کیم شحیم ابوالخیر کے مقابلے میں وہ دبلے پتلے تھے۔ آخر انہی کی شرائط پر ابوالخیر کا تہ بند ان کو واپس ملا اور وہ اپنا ستر چھپا سکے۔''(۷)

انہیں کامیاب کانفرنسیں اور اجلاس کرانے میں ملکہ حاصل تھا چنانچہ مختلف طبقۂ خیال کے لوگوں کو ایک ہی جگہ جمع کر لیتے تھے۔ ترقی پسند ہوں یا رجعت پسند، دائیں بازو کے لوگ ہوں یا بائیں کے، اعتدال پسند ہوں یا انقلابی، جدید وضع اور فیشن کے دلدادہ یا پرانی وضع کے غرض سب کو جمع کرنا سید عبداللہ کے لیے آسان کام تھا۔ ایسے علمی میلوں میں رنگارنگی تو ضرور نظر آتی مگر منظم و مربوط انداز ہر جگہ موجود رہا۔ مختلف افکار کے لوگ اکٹھے ہوتے اور سوچ وفکر کی نئی راہیں کشادہ ہو جاتی تھیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کو علوم شرقیہ کے احیاء اور تحفظ کا بے حد خیال رہتا تھا۔ جب ۱۹۴۸ء میں قومی زبان کے سلسلے میں اردو کانفرنس منعقد ہوئی تو اس وقت قائداعظم ابھی زندہ تھے اور قوم ان کے فرمودات کا دل وجان سے احترام کرتی تھی۔ اور قومی جذبے میں بھی شدت تھی چنانچہ اس کانفرنس میں قومی زبان اردو کے سلسلہ میں مثبت پیش رفت بھی ہوئی۔ مگر اس کے بعد حالات سازگار نہ رہے۔ قائداعظم کی رحلت کے بعد کئی دیگر مسائل نے سر اٹھایا۔ انتشار اور اختلاف نے قومی یکجہتی کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔ قومی زبان اردو کو بھی اختلافی مسئلہ بنا کر پیش کیا گیا۔ ہر فرد اپنے مسائل میں اتنا الجھ گیا کہ ذاتی مفاد کے سامنے ملکی مفاد ہیچ دکھائی دینے لگے۔ ان حالات میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے مشرقی علوم کے تحفظ وبقا اور اردو کے فروغ کی تحریک کا آغاز کیا اور اس تحریک کو مہماتی جذبے کے ساتھ

چلایا۔ دل سے نکلی ہوئی بات اثر ضرور رکھتی ہیں لوگ ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ قومی
وسائل واخبارات کا تعاون بھی مل گیا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اس محاذ کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض منصبی بھی احسن طریقے سے ادا کرتے رہے۔
جب وہ اورینٹل کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے تو علوم مشرقی کے تحفظ واحیاء کے کام کے ساتھ ساتھ
تدریسی نظام الاوقات اور انتظامی امور کے لیے دن رات محنت کی۔ وہ معلمی کو عبادت کا درجہ دیتے تھے
اور جو وقت بچ جاتا اس میں اردو کے فروغ کی منصوبہ بندی، وسائل کی فراہمی جیسے امور سے نپٹنے
کوشاں ہو جاتے۔ ان کے سخت تدریسی شیڈول کو ان کے قریبی شاگرد و دوست ڈاکٹر غلام حسین
ذوالفقار ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

> ''صبح جب وہ کالج آجاتے تو ادارے کے تنظیمی امور ومسائل کو سرانجام دیتے۔
> وقتاً فوقتاً پورے کالج کا چکر بھی لگاتے جس سے طلبہ وطالبات میں ایک نظم وضبط
> کی صورت پیدا ہوئی۔ یونی ورسٹی کی کوئی میٹنگ ہوتی تو اس میں شریک
> ہوتے اور پھر دوپہر کے بعد آخر میں درس دیتے۔ اس کا یہ فائدہ اٹھاتے کہ ایک
> گھنٹے کی بجائے اکثر اوقات ڈیڑھ اور دو گھنٹے تک ان کا لیکچر جاری رہتا۔
> طلبہ کو اس کے مطابق اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرنا پڑتا، یا بھوکے رہ کر
> لطیفوں پر گزارا کرنا ہوتا۔''(۸)

اسی طرح ایک دوسرے مضمون میں غلام حسین ذوالفقار یوں رقمطراز ہیں:

> ''چند برس ہوئے گنگارام ہسپتال میں ڈاکٹر صاحب کا ہرنیا کا آپریشن ہوا۔ جس
> روز صحت یاب ہو کر ہسپتال سے نکلے، موٹر پر سوار ہوئے، بیگم صاحبہ ساتھ تھیں۔
> موٹر گھر کی سمت روانہ ہوئی، اچانک راستے میں ڈاکٹر صاحب نے موٹر رکوائی اور
> ڈرائیور سے کہا موٹر کالج کی طرف لے جاؤ۔ سب حیران، کالج میں جا کر ابھی کیا
> کرنا ہے۔ خیر کالج پہنچے، فرمایا' میں طلبہ کو درس دے کر گھر جاؤں گا، کئی روز سے
> یہ محرومی رہی۔ یہ تو ایک واقعہ ہے' کئی بار ایسا ہوا، طویل سفر سے واپسی ہوئی،
> سیدھے کالج پہنچے، درس دیا، صاحب کالج میں بیٹھ کر اساتذہ سے ملے، طلبہ سے
> باتیں ہوئیں اور پھر گھر روانہ ہوئے۔''(۹)

کالج میں موسم سرما کے دوران دھوپ میں بیٹھ جاتے اور چائے بھی کمرے کی بجائے وہیں پی جاتی۔

اس طرح طلبہ کے نظم وضبط پر بھی ان کی کڑی نظر رہتی مگر ان کی شفقت میں کمی نہ آتی۔ طلباء ان کے دھوپ میں بیٹھنے کو 'دربارِ عام' کے نام سے یاد کرتے۔ اس دربارِ عام کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ طلبہ سے براہ راست رابطہ رہتا۔ طلباء ان کی شفقت، محبت اور علم سے بیک وقت فیضیاب ہوتے تھے۔ ممتاز منگلوری زمانہء طالب علمی کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ اپنے اور طلباء کے درمیان ایسے کسی بعد کو قائم نہیں ہونے دیتے جو شکوک وبدگمانی کی فضا پیدا کرے۔ طالب علموں سے آپ کا سلوک ہمیشہ شفیق باپ کی طرح رہا۔ طالب علم اپنی مشکلات آپ سے بیان کر کے اور آپ کی پدرانہ شفقت اور خلوص سے بھری مسکراہٹ کے ساتھ ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں دو بول سنتے ہی اپنا سارا غم بھول جاتا تھا۔'' (۱۰)

لیکن کالج کے صحن میں صرف اساتذہ بیٹھ سکتے تھے۔ طالب علموں کو بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی اجازت نہ تھی۔ طلبہ وطالبات کے لباس کا بھی مؤاخذہ ہوتا تھا۔ وہ مشرقی اقدار وتہذیب کے دلدادہ اور پروردہ تھے اس لیے ایسی کسی بات کو برداشت نہ کرتے تھے جو ان کے خلاف ہو۔ اس ضمن میں ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ایک واقعہ ان الفاظ میں دہراتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ کوئی لڑکی ساڑھی باندھ کر آگئی۔ سید صاحب نے طالبہ کو بلایا۔ وہ کمرے میں داخل ہو کر سامنے باادب کھڑی ہوگئی۔ سید صاحب نے لڑکی کی طرف دیکھے بغیر فرمایا،''بیٹی جاؤ کپڑے پہن کر آؤ۔'' طالبہ نے یہ کہنے کی کوشش کی کہ وہ لباس پہنے ہوئے ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ بولتی سید صاحب نے دوبارہ زور دے کر کہا 'اسی وقت گھر جاؤ اور کپڑے پہن کر آؤ۔'' (۱۱)

اسی تربیت اور پدرانہ شفقت کا نتیجہ تھا کہ سید صاحب کے عہد میں طلبہ وطالبات کی بھاری تعداد جوق در جوق اورینٹل کالج میں داخلے لینے کے لیے آئے۔ اتنی تعداد کالج کی تاریخ میں کسی عہد میں نہیں رہی۔ داخلہ لینے والوں میں طالبات کی تعداد بعض اوقات طلبہ کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی۔ اسی لیے سید صاحب کبھی کبھی دل لگی اور مزاح کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ یونیورسٹی اورینٹل کالج دراصل لڑکیوں کا ایسا کالج ہے جہاں لڑکے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔'' اس طرح لڑکوں کے لیے تو وولنر ہاسٹل موجود تھا مگر لڑکیوں کے لیے ہاسٹل نہیں تھا۔ سید صاحب نے یونیورسٹی کو مجبور کیا کہ مختلف عمارات کرائے

پر لی جائیں اور طالبات کو رہائش کی سہولت مہیا کی جائے۔

خواتین کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کی بیٹی عطیہ سید نے بھی بتایا کہ وہ گھر میں اپنی اہلیہ سے شفقت، ہمدردی اور برابری کی سطح پر سلوک روا رکھتے۔ ان کے جو ساتھی سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے ان کے مطابق جب بیگم صاحبہ ان کے ساتھ ہوتیں تو پھر مختلف ریستورانوں میں کھانے کا بل کبھی خود نہ دیتے بلکہ یہ ذمہ داری بیگم صاحبہ کی ہوتی تھی اور ایسے مواقع اکثر آتے رہتے کیونکہ وہ سفر میں بیگم صاحبہ کو ساتھ ضرور لے جاتے۔ ایک اور واقعہ دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ اردو تدریس کانفرنس کے دوران لیڈی میکلیگن کالج کی ایک خاتون پروفیسر مس حمید خواجہ صاحب سے ملنے آئیں۔ انہوں نے چٹ اندر بھیجی جس پر "حمید خواجہ" لکھا ہوا تھا۔ چپراسی سے کہا گیا کہ انہیں سٹاف روم میں بٹھائیں۔ اس خاتون نے اچھی خاصی دیر انتظار کرنے کے بعد دوبارہ چٹ بھیجی۔ اب انہیں بلایا گیا۔ انہیں دیکھ کر سید صاحب اچھے خاصے پریشان ہوئے کیونکہ اس خاتون کو مرد سمجھ کر انتظار کی زحمت دی گئی تھی۔ آئندہ جب کبھی حمید خواجہ آئیں تو اپنے نام کے ساتھ چٹ پر "عورت" لکھنا نہ بھولیں۔

تدریس کے بعد وہ شام تک اپنی تحریک کے کام میں جتے رہتے تھے۔ ان کے نحیف سے بدن کو جذبے کی شدت نے گرما رکھا تھا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ دفتری و انتظامی سطح پر انہیں اچھے رفقاء کی رفاقت بھی نصیب تھی جس کی وجہ سے وہ دن رات کی محنت سے ہرگز نہ گھبراتے تھے۔

وہ کسی رفیق پر بد اعتمادی کا اظہار نہ کرتے اور ہر ایک کو اس کی اہمیت کا شعوری و لاشعوری احساس دلاتے تھے۔ اس خوبی کی بناء پر وہ اتنے بڑے ادارے کو احسن طریقے سے چلانے پر قادر ہوئے۔ وہ بڑی بڑی کانفرنسیں اور اجتماعات کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ ایسی کانفرنسوں کے انعقاد میں بعض دفعہ بڑے تنازعوں اور پیچیدہ مسئلوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان میں کئی ایسے نازک لمحات بھی آئے جو ہر ایک کے لیے تشویش اور آزمائش کا باعث بنے۔ لیکن ڈاکٹر سید عبداللہ نے تحمل، بردباری اور سکون سے ان لمحات کا سامنا کیا اور معمول کے کاموں پر انہیں اثر انداز نہ ہونے دیا۔ یہ انتظامی صلاحیت خداداد تھی جس کی بدولت وہ (Man of Cricis) کہلاتے تھے۔

سید عبداللہ کا دربار عام سب کے لیے کھلا رہتا تھا جہاں عام و خواص کے لیے کوئی پابندی نہ تھی۔ طبیعت میں رومانیت کا عنصر خاصا گہرا تھا۔ اس رومانیت پر حالی، شبلی، میر اور غالب کا گہرا رنگ چڑھا تھا۔ فارسی کے شعراء میں حافظ شیرازی بھی مزاج کا حصہ تھی۔ اشعار کا گنگنانا وہ داخل عبادت سمجھے تھے اور بعض اوقات ارد گرد بیٹھے ہوئے احباب سے بے خبر ہو کر تا دیر غالب و میر کو گنگناتے رہتے تھے۔

طبیعت میں رومانیت بھی تھی ۔ اور اس رومانیت پر کلاسیکیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ وہ ادیب تھے اور ادب کے استاد بھی اور عمدہ ادب کا بہترین ذوق رکھتے تھے اس لیے عمدہ اشعار کو بار بار گنگناتے اور اس کے مخفی معنوں کا حسی ادراک کر کے خاص کیف محسوس کرتے ۔ وہ اس احساس جمال وجلال سے آشنا تھے جس کے بغیر ذوق جمالیات تکمیل نہیں پاتا۔ عشق کے ضمن میں کہا کرتے تھے کہ اس کو بے کی آوارہ خرامی کے بغیر نہ میرؔ میر بنتا ہے نہ حالیؔ ، حالی اور نہ غالبؔ ، غالب ہوتا ہے،

قیس ہو، کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

غلام حسین ذوالفقار کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ کلاس میں غالباً غالب کے اشعار کے ضمن میں ہی یہ کہہ دیا تھا:

''عشق ہم نے بھی کیا اور کامیاب کیا۔'' (۱۲)

ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات ان کی بیٹی عطیہ سید (جو خود بھی افسانہ نگار ہیں) سے ملیں۔ انھوں نے بتایا:

''ڈاکٹر سید عبداللہ کی والدہ ان کی بچپن میں ہی وفات پا گئیں تھیں۔ جب وہ صرف ۱۲ سال کے تھے۔ ان کے والد نے ان کی نسبت کم عمری ہی میں طے کر دی اور جب وہ صرف ۱۸ سال کے تھے تو ان کی پہلی شادی کر دی گئی۔ جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا کہ کم عمری میں شادیاں کر دی جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی ٹی بی کا شکار ہو گئیں جو اس وقت لا علاج مرض تھا۔ اس مہلک مرض نے ان کی جان لے لی۔ ان کے بطن سے سید عبداللہ کا ایک بیٹا زبیر تھا جو وفات پا چکا ہے۔ سید عبداللہ کی دوسری شادی جناب عبداللہ شاہ کی دختر سے ہوئی۔''

عبداللہ شاہ اپنے زمانے کے انتہائی روشن خیال، پڑھے لکھے اور خوبصورت شخص سمجھے جاتے تھے۔ وہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ علی گڑھ ایک علمی ادارہ ہی نہیں ایک تربیت گاہ بھی تھی۔ چنانچہ علی گڑھ سے تعلیم پانے والے طلبا اپنے ساتھ وہاں کے خیالات نظریات اور فلسفۂ حیات کو ساتھ لاتے اور انھیں دوسری جگہوں پر پھیلانے کا باعث بنتے تھے۔ عبداللہ شاہ بھی ایسے ہی روشن خیال اور جدید سوچ کے حامل شخص تھے۔ ان کے گھر میں اس زمانے کے ادبی اور تہذیبی رسائل وجرائد کو معمول سمجھا جاتا تھا۔ تہذیب نسواں ''ساقی دہلی'' اور ''پھول'' وہ رسائل تھے جو بیگم سید عبداللہ کے مطالعے میں

بجتے تھے۔اس کے علاوہ انھوں نے باقاعدہ انگریزی تعلیم بھی پائی تھی جو اس زمانے میں خواتین کے لئے غیر معمولی بات تھی۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی اہلیہ علم و ادب کا شوق اپنے گھر سے لائی تھیں لیکن اپنے شوہر کے گھر انھیں جو علمی ماحول ملا،اس کے باعث یہ شوق مزید دوآتشہ ہو گیا۔شادی کے بعد انھوں نے ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ادیب فاضل کا نصاب انتہائی مشکل سمجھا جاتا تھا جس میں ادب کی تاریخ،علم عروض وغیرہ شامل تھے۔بیگم صاحبہ انتہائی نفیس،خوبصورت،شوخ وشنگ اور دلچسپ خاتون تھیں۔ان کی ذہانت اور خوبصورتی کی بناء پر سیّد عبداللہ انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ان کے درمیان جذباتی اور ذہنی ہم آہنگی تھی۔بیگم عبداللہ کے لیے ان کی خوبصورتی کے باعث بڑے بڑے نوابین اور زمینداروں کے رشتے آئے لیکن ان کی والدہ نے اپنی بیٹی کے لئے سیّد عبداللہ کا انتخاب کیا،کیونکہ ان کے نزدیک عظمت کا معیار دولت واقتدار نہیں بلکہ علم وتہذیب تھا۔ان کا یہ انتخاب درست ثابت ہوا اور سیّد عبداللہ کے ساتھ ایک کامیاب ازدواجی زندگی بسر کی۔بیگم عبداللہ غالب پسند تھیں جبکہ سیّد عبداللہ خود میرؔ پر فریفتہ تھے۔دونوں کے درمیان علمی وادبی نوک جھوک ہوتی کہ دیکھیے غالب نے اس خیال کو یوں باندھا ہے جبکہ میرؔ نے یوں کہا ہے۔اس شادی سے عبداللہ کے دو بچے ہیں۔عطیہ سیّد جو حیات ہیں اور بیٹے سیّد سجاد جو وفات پا چکے ہیں۔

عطیہ سیّد نے فلسفے میں ایم۔اے کیا وہ گولڈ میڈلسٹ ہیں۔پھر وہ فیلوشپ پر امریکہ چلی گئیں۔ وہاں ایم۔فل کیا۔وطن واپسی پر لاہور کالج برائے خواتین میں پروفیسر مقرر ہوئیں یہ کالج اب یونیورسٹی کا درجہ رکھتا ہے وہ اس کالج میں ڈین آف آرٹس بھی رہی ہیں اور تا حال تدریسی فرائض انجام دے رہی ہیں۔ان کے چار کتابیں فلسفہ پر اور تین اردو افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ایک ناول بھی ان کی تصانیف میں شامل ہے۔ وہ اپنی شاندار تعلیمی کامیابیوں اور منصبی کامرانیوں کو والدین کی توجہ کا نتیجہ بتاتی ہیں۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا ظاہری حلیہ ان کی نفاست طبع کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔دبلا پتلا اکہرا بدن،کھلتا ہوا گورا رنگ اور باوقار چال ان کی شخصیت کو جاذب نظر بناتی تھی۔عطیہ سیّد ان کے بارے میں لکھتی ہیں۔

> ''انھیں اپنی والدہ کی نہ صرف دراز قامت،سفید رنگ،خوبصورت ہاتھ اور نفیس انگلیاں ہی جو سرجنوں اور مصوروں کا مقدر ہیں حاصل ہوئی۔ بلکہ ان کا شعری ذوق بھی (GENES) کے ساتھ یوں منتقل ہوا کہ زندگی اور ادب کی لطافتوں

کا عشق آپ (سید عبداللہ) کے رگ و پے میں مکمل طور پر رچ بس گیا۔" (۱۳)

عطیہ سید نے بتایا:

"ان کے والد درویش منش لاپروا اور سیدھے سادے آدمی تھے۔ کھانے کی میز پر جب بچے ان کے ساتھ ہوتے تو سختی سے ممانعت تھی کہ اردو بولتے ہوئے انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ استعمال کیا جائے ورنہ جرمانے کے طور پر جیب خرچ (Pocket Money) سے رقم کاٹ لی جائے گی۔"

وہ کھانے کے دوران بھی عام گفتگو سے پرہیز کرتے انھیں عام گفتگو سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ انھیں لاہور کے حلقوں میں خوش پوش شخص سمجھا جاتا تھا جبکہ وہ لباس کے معاملے میں پرلے درجے کے بے نیاز تھے۔ جبکہ ان کی اہلیہ خود بھی خوش لباس تھیں اور سید عبداللہ کی پوشاک کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ اسی طرح سید عبداللہ کھانے پینے کے بھی شوقین نہ تھے۔ عطیہ سید نے دلچسپ بات بتائی کہ وہ سبزیوں کے نام بھی اچھی اور پوری طرح نہ جانتے تھے۔ وہ بہت کم خوراک بھی تھے۔ اس ضمن میں غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

"سید صاحب کی خوراک ہوا اور پانی تک محدود تھی یا کام کے دوران چائے کی ایک پیالی اور ایک آدھ بسکٹ۔" (۱۴)

شاعروں میں میرؔ ان کے موضوع خاص رہے ہیں۔ وہ کلاس میں میرؔ کے غم میں ڈوب جاتے ان کے پڑھانے کا انداز بھی غیر روایتی تھا۔ لطیفے سناتے، دلچسپ واقعات، نظیرؔ کے طربیہ چٹکلے شامل کر دیتے۔ جس نے ان کا ایک لیکچر بھی سنا وہ، اس کو اپنے لیے اعزاز سمجھتا تھا۔ وہ ایک مرتب و منظم ذہن کے مالک تھے۔ جذب و شوق نے ان کی بات میں تاثیر پیدا کر دی تھی۔ خود کلامی ان کا محبوب مشغلہ تھی اگرچہ اس خود کلامی میں ان کا خطاب خود اپنے آپ سے ہوتا لیکن اس مشغلے نے ان کی بیانیہ صلاحیت کو مزید جلا بخشی۔ ان کی طبیعت کا خاص رجحان غم پسندی تھا۔ وہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں:

"میں غم پسند آدمی ہوں اس لئے غم کے مضامین بہت اچھے لگتے ہیں۔ مگر غم کے مضامین میں محبت کے عنوان موجود ہوں تو میرا دل کھل جاتا ہے۔ دور دور تک باغ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" (۱۵)

والدہ کی جلد وفات ایک ایسی محرومی تھی جس کا سامنا سید عبداللہ نے کمسنی میں کیا۔ اس محرومی نے ان کی شخصیت کے نہایت حساس اور مثبت پہلوؤں کو نکھارا۔ احساسِ محبت، دردمندی، احترامِ

نسائیت اور عورتوں کا احترام ان کے دل میں گھر کر گیا۔ انھوں نے ابتدائی زندگی میں بڑے لوگوں کی سوانح عمریاں بڑے شوق سے پڑھیں جن کا گہرا اثر قبول کیا۔ میکالے کی تاریخ انگلستان، ایبٹ کی کتاب حیات، نپولین کے علاوہ رشلو، میزنی، بس مارک کی سوانح عمریاں پڑھیں۔ اور ٹالسٹائی کے ناول War and Peace نے تو انھیں صحیح معنوں میں دردمندی کے مسلک سے آگاہ کرایا۔ ان کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ سیاست ہندوستان، تاریخ ہندوستان، تاریخ اقوام اسلامی، دینی افکار، تہذیب اور اردو فارسی شعراء کا کلام ان کی دلچسپی کے میدان تھے۔ اردو میں میرؔ اور فارسی میں حافظؔ کے بے حد قائل تھے۔

اپنے بارے میں انہوں نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''میں ایک غم پسند آدمی ہوں اور اس کے زیر اثر میں نے اپنا ایک فلسفہ مرتب کیا تھا جسے کبھی کبھی میں میر تقی میر کے تتبع میں فلسفہ دردمندی کہہ لیا کرتا ہوں مگر میرا فلسفہ بار بار بکھرتا رہتا ہے۔۔۔ میرا سب سے بڑا غمگسار شعر ہے۔ میرا گنگناتا ہر جاگتے لمحے تک پھیلا ہوا ہے۔'' (۱۶)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ان کی شخصیت کے ظاہری پہلو کی طرف یوں توجہ دلاتے ہیں۔

'' وہ بچے جنہوں نے بابائے قوم کا نام سنا تھا اپنی درسی کتابوں میں ان کے کارناموں کا ذکر پڑھا تھا۔ قائداعظم کی تصویریں جناح کیپ کے ساتھ دیکھی تھیں وہ جب سید صاحب کو دیکھتے تو انہیں ان کی شکل صورت میں جیتا جاگتا قائداعظم نظر آتا۔ پھر وہ ایک دوسرے کو متوجہ کر کے کہتے۔ وہ دیکھو! قائداعظم جارہے ہیں۔'' (۱۷)

جب الطاف حسین قریشی نے ان سے ایک انٹرویو میں زندگی کی بڑی آرزو کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب میں ایسی بات کہی جو کسی بھی ادیب کی خواہش ہو سکتی ہے انہوں نے جتایا۔

'' آرزوئیں تو بہت ہیں مگر ایک ایسی آرزو ہے جو اکثر جان و دل میں بستی رہتی ہے اور وہ یہ کہ کاش میں اپنی زندگی میں دس پندرہ سطریں ایسی لازوال لکھ جاؤں جو انسانی دکھ درد میں کسی مورِ ناتواں کے لیے سفینۂ برگِ گل بن سکیں۔۔۔۔ سقراط دانش کی ایک چمک کے لیے پہاڑیوں کے گرد دیوانہ وار گھومتا تھا۔ میں سیاہی کے ایک قطرے کا آرزومند ہوں جو تحریر میں ڈھل کر مریم بن جائے۔''

تصانیف اور مقالات

تحقیق وتنقید (کتب)

1. The spirit and substance of Urdu Prose under the influence of SirSayyed Lahore,Sh.Muhammad Ashraf, 1940.

۲۔ 'اردو ادب جنگ عظیم کے بعد' لاہور، اردو اکیڈمی پنجاب، طبع اوّل ۱۹۴۱

۳۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ۔ دہلی انجمن ترقی اردو (ہند) طبع اول، ۱۹۴۲

۴۔ شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن لاہور مکتبہ جدید، طبع اول، لاہور مکتبہ خیابان طبع دوم، ۱۹۵۲، ۱۹۶۸

۵۔ نقد میر۔ لاہور آئینہ ادب۔ طبع اول، لاہور اردو مرکز۔ طبع دوم، لاہور مکتبہ خیابان ادب، طبع سوم، ۱۹۵۸، ۱۹۶۴، ۱۹۶۸

۶۔ دلی سے اقبال تک۔ لاہور مکتبہ جدید، طبع اول، لاہور خیابان ادب، طبع دوم ایضاً۔ طبع سوم، ۱۹۵۸، ۱۹۶۶، ۱۹۷۶

۷۔ 'سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، لاہور مکتبہ کارواں، طبع اوّل، لاہور، علمی کتب خانہ، طبع چہارم اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۱۹۶۰ء، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۶ء

۸۔ طیف غزل (ڈاکٹر سید عبداللہ کے کلاس لیکچرز کا مجموعہ) مرتبہ ممتاز منگوری۔ لاہور نذر سنز طبع اول۔ ۱۹۶۳

۹۔ طیف نثر (ڈاکٹر سید عبداللہ کے کلاس لیکچرز کا مجموعہ) مرتبہ ممتاز منگوری لاہور نذر سنز، طبع اول، لاہور اکیڈمی لاہور، طبع دوم، ۱۹۶۴، ۱۹۷۶

۱۰۔ 'منتخبات نثر اردو، برائے بی اے و بی ایس سی (بہ اشتراک ابواللیث صدیقی)
لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، طبع اوّل ۱۹۶۴ء،
۱۱۔ 'میر امن سے عبدالحق تک، (اردو نثر کی تنقیدی تاریخ) لاہور، مجلس ترقی ادب،
طبع اوّل ۱۹۶۵ء
۱۲۔ مباحث، (تنقیدی مضامین) لاہور مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۶۵
۱۳۔ چند نئے اور پرانے شاعر، لاہور اردو مرکز طبع اول، ۱۹۶۵
۱۴۔ اشارات تنقید، لاہور، خیابان ادب۔ طبع اول
ایضاً طبع اول
ایضاً طبع سوم، ۱۹۶۶ء، ۱۹۷۲، ۱۹۸۶
۱۵۔ اردو ادب ۱۸۵۷ تا ۱۹۶۶۔ لاہور مکتبہ خیابان ادب، طبع اول، ۱۹۶۷
۱۶۔ اطراف غالب۔ لاہور۔ گلوب پبلشرز طبع اول، ۱۹۶۸
۱۷۔ بحث و نظر۔ لاہور مکتبہ اردو، طبع اول، ۱۹۶۸
۱۸۔ سخن ور (نئے اور پرانے)۔ لاہور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی طبع اول، ۱۹۷۶
۱۹۔ 'وجہی سے عبدالحق تک' (اردو نثر کی تنقیدی تاریخ) 'لاہور، مکتبہ خیابان ادب،
طبع دوم، ۱۹۷۷ء
۲۰۔ اردو ادب کی ایک صدی۔ دہلی محبان اردو، طبع اول، ۱۹۸۹

اقبالیات

۱۔ 'مقامات اقبال' طبع اوّل: (پیش لفظ از میرزا ادیب) لاہور، ناشرین، ۱۹۵۹ء
۲۔ لطیف اقبال (ڈاکٹر اقبال کے فکر و فن پر ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب کے کلاس لیکچروں
کا مجموعہ) مرتبہ ممتاز منگلوری لاہور۔ لاہور اکیڈمی، طبع اول: ۱۹۶۴ء
۳۔ 'سبل اقبال (یعنی حضرت علامہ اقبال کے تصورِ خودی پر اسرار خودی اور رموز
بے خودی کے حوالے سے آسان انداز میں بحث) لاہور، مکتبہ خیابان ادب،
طبع اول: ۱۹۶۹ء
۴۔ 'مسائل اقبال' (اہم موضوعات اقبال) لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،

طبع اوّل: ۱۹۷۴ء

۵۔ متعلقات خطبات اقبال (اس کتاب میں تین مضامین سید عبداللہ کے ہیں، باقی دوسرے حضرات کے ہیں) لاہور، اقبال اکادمی، طبع اوّل: ۱۹۷۷ء

۶۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور اقبال (پمفلٹ)، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۷۹ء

۷۔ اسلامی فقہ کی تدوین نو علامہ اقبال کی نظر میں اقبال میموریل لیکچرز لاہور شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب یہ لیکچر جامعہ کے سینٹ ہال میں ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء کو دیا گیا)۔ ۱۹۸۱ء

۸۔ اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت، (سلسلہ اقبال میموریل لیکچرز (۱) یہ لیکچر جامعہ کے سینٹ ہال میں ۱۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو دیا گیا) لاہور، شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۱ء

۹۔ 'مقاصد اقبال' (فکر اقبال کے اہم موضوعات)' لاہور، علمی کتاب خانہ، طبع اوّل: ۱۹۸۱ء

۱۰۔ اقبال اور صوفی، اختلاف و اتفاق کی کہانی (پمفلٹ) (یہ مقالہ ڈاکٹر سید عبداللہ (پروفیسر ایمریطس) نے سول سروس اکیڈمی لاہور میں پڑھا) لاہور، مغربی پاکستان اور اردو اکیڈمی، ۲۴ فروری ۱۹۸۲ء

۱۱۔ مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۴ء

۱۲۔ اعجاز اقبال (مجموعہ مقالات متعلقہ اقبالیات) لاہور۔ سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

۱۳۔ 'اقبال اور قومیت'، لاہور، پاکستان نیشنل سنٹر (س ن)

۱۴۔ 'کیا اقبال اشتراکی تھے؟' لاہور، ڈیموکریٹک یوتھ فورس (س ن)

پاکستانیات/ کلچر/ اردو زبان/ ترتیب و تہذیب/ تعلیم

۱۔ 'ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)' طبع اول: ۱۹۴۲ء لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم: ۱۹۶۷ء

۲۔ نوادر الالفاظ مع غرائب اللغات، (از عبدالواسع ہانسوی) تصحیح تحشیہ و مقدمہ از سید عبداللہ، کراچی انجمن ترقی اردو، طبع اول ۱۹۵۱

۳۔ ارمغان علمی بخدمت پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع لاہور مجلس ارمغان علمی، طبع اول ۱۹۵۵

۴۔ 'تعلیم کے مقاصد، (از الفریڈ نارتھ وائٹ ھیڈ)' لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۵۹ء

(یہ Aims of Education کا ترجمہ ہے)

۵۔ 'تعلیمی خطبات اور دوسرے مضامین'، لاہور، مجلس ارادت مندان سیّد، طبع اول: ۱۹۶۶ء

۶۔ 'درخت اور دریچے، ہلکے پھلکے فکر انگیز مضامین)' لاہور، دار الادب، ۱۹۶۷ء

۷۔ 'پاکستان میں اردو کا مسئلہ'، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، طبع اوّل: ۱۹۷۶ء

۸۔ قائداعظمؒ تحریک بازیابی شوکت رفتہ کے آخری رہنما' (پمفلٹ)' لاہور،

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء

۹۔ 'پاکستان (تعبیر و تعمیر)'، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، طبع اوّل: ۱۹۷۷ء

۱۰۔ 'کلچر کا مسئلہ'، لاہور، غلام علی اینڈ سنز، طبع اوّل: ۱۹۷۷ء

۱۱۔ 'فارسی زبان و ادب، مجموعہ مقالات، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اوّل: ۱۹۷۷ء

۱۲۔ - Stray thoughts on Education in Pakistan 1992

لاہور بزم اقبال

فہرست سازی مخطوطات/ مطبوعات

1. A descriptive Catalogue of the Persion, Urdu and Arabic Manuscripts in the Punjab University Library. Lahore, University of the Punjab, 1942-1948 (V.1, Fasc. I History Fasc. II Persian Poetry).

۲۔ 'نوادر الالفاظ مع غرائب اللغات، (از عبدالواسع ہانسوی)' تصحیح تحشیہ و مقدمہ از سیّد عبداللہ، کراچی انجمن ترقی اردو، طبع اول: ۱۹۵۱ء

۳۔ ارمغان علمی بخدمت پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع، مرتبہ سیّد عبداللہ، لاہور، مجلس ارمغان علمی، طبع اول: ۱۹۵۵ء، (پیش لفظ از ڈاکٹر ایس۔ اے رحمان)

۴۔ 'تذکرہ مردم دیدہ' (از عبدالحکیم حاکم لاہوری)' تصحیح و ترتیب از سیّد عبداللہ، لاہور، پنجابی ادبی اکیڈمی، طبع اول: ۱۹۶۱ء، (یہ فارسی میں ہے)

۵۔ "خطبۂ استقبال (جو مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے سالانہ تقسیم انعامات
منعقدہ ۱۰ مئی ۱۹۶۹ء کو پڑھا گیا) پمفلٹ لاہور، جدید اردو ٹائپ پریس،
طبع اول: ۱۹۶۹ء

۶۔ 'اردو میں علمی اور سائنسی کتابوں کی فہرست (جو بسلسلہ نمائش علمی یونی ورسٹی ہال
لاہور میں رکھی گئی)' لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۷۰ء
(اس فہرست کو ڈاکٹر سید عبداللہ نے مرتب کیا۔ یہ نمائش پاکستان سائنٹفک سوسائٹی کی
سالانہ کانفرنس ۱۹۶۶ء کے سلسلے میں ہوئی تھی)

۷۔ 'مثنوی نل و دمن، (از احمد سراوی)' کراچی، انجمن ترقی اردو، طبع اول: ۱۹۷۸ء

۸۔ 'اعلیٰ تعلیم میں اردو کی حیثیت'، ترجمہ از ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، اسلام آباد،
مقتدرہ قومی زبان، طبع اول: ۱۹۸۳ء

۹۔ 'وضع و استناد اصطلاحات'، (پمفلٹ) 'اسلام آباد،
مقتدرہ قومی زبان، طبع اول: ۱۹۸۴ء

۱۰۔ 'دفتری زبان اور نصاب تعلیم'، (پمفلٹ) 'اسلام آباد،
مقتدرہ قومی زبان، طبع اول: ۱۹۸۵ء

۱۱۔ 'اردو ذریعۂ تعلیم اور نفاذ اردو' (پمفلٹ) اسلام آباد،
مقتدرہ قومی زبان، طبع اول: ۱۹۸۶ء

اقبالیات: (مقالات)

۱۔ ''علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری کے چند موقعے''، 'ادبی دنیا' لاہور،
فروری ۱۹۳۰ء
ایضاً، مشمولہ 'آئینۂ اقبال'، از محمد عبداللہ قریشی، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۶۷ء
ایضاً، ادبی دنیا، لاہور، دور ششم، اقبال نمبر

۲۔ ''اقبال اور سیاسیات''، 'ہمایوں' لاہور مئی ۱۹۳۲ء معارف اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۳۶ء
ایضاً۔ اپریل ۱۹۳۶ء

۳۔ ''کلام اقبال کی دقتیں اور ان کی تشریح کی ضرورت''، معارف' اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۴۳ء

ایضاً۔اپریل ۱۹۴۴ء،پیغام حق لاہور، جنوری۔مارچ ۱۹۴۶ء

۴۔ ''اقبال اور رومی''، مشمولہ: حکمت اقبال، از غلام دستگیر رشید (مرتب)، حیدرآباد دکن، نفیس اکیڈمی، ۱۹۴۵ء

۵۔ ''اقبال کے محبوب فارسی شاعر''، اردو، دہلی جولائی ۱۹۴۶ء

۶۔ ''اقبال کی فطرت نگاری''، اردو، کراچی، جولائی۔اگست ۱۹۵۱ء

''اقبال کی فطرت نگاری''، ایضاً، اگست۔ستمبر ۱۹۵۱ء

۷۔ ''اقبال شعرائے فارسی کی صف میں''، 'اقبال' لاہور، اپریل ۱۹۵۴ء

ایضاً۔شمولہ، مطالعہ اقبال، از گوہر نوشاہی (مرتب) 'لاہور، بزم اقبال، ۱۹۷۱ء

۸۔ ''اقبال کی زبان''، ماہِ نو، کراچی۔اپریل ۱۹۵۴ء

ایضاً (اقبال نمبر) اپریل ۱۹۷۰ء؛''مطالعہ رومی کی تاریخ میں اقبال کا مقام''،

ایضاً۔اپریل ۱۹۵۵ء

ایضاً۔اپریل ۱۹۷۰ء، ماہِ نو لاہور، ستمبر ۱۹۷۷ء

۱۰۔ ''اقبال اور صوفی۔خودی سے بے خودی تک''، ماہِ نو، کراچی، اپریل ۱۹۵۶ء

ایضاً۔اپریل ۱۹۷۰ء

۱۱۔ ''اقبال کا ایک مداح۔نظیری'' ماہِ نو کراچی، جون ۱۹۵۷ء

۱۲۔ ''اقبال اور حافظ کے ذہنی فاصلے''، صحیفہ' لاہور، ستمبر ۱۹۵۷ء

۱۳۔ ''اقبال کا مدرسۂ تعلیم''، اقبال ریویو، کراچی جولائی ۱۹۶۰ء

۱۴۔ ''اقبال ایک ادبی فن کار''، ایضاً۔جنوری ۱۹۶۲ء

۱۵۔ ''اقبالیات کے چند مسائل''، خیابان، پشاور (اقبال نمبر) ایضاً، جون ۱۹۶۲ء

۱۶۔ ''ہماری درسیات میں اقبال کی نمائندگی''، سیارہ لاہور، (اقبال نمبر) مئی ۱۹۶۳ء

۱۷۔ ''اقبال کے تضادات''، قندیل، لاہور، ۱۸ اپریل ۱۹۶۵ء

۱۸۔ ''اقبال کے فوراً بعد (ادب میں ان کی مخالف اثرات)''، مشمولہ: مقالات یومِ اقبال، ۱۹۶۶ء کلا ہور، مغربی پاکستان رائٹرز گلڈ، ۱۹۶۶ء

۱۹۔ ''اقبال کے فوراً بعد''، قومی زبان، کراچی اپریل ۱۹۶۷ء

۲۰۔ ''اقبال اور ابوالکلام کے ذہنی فاصلے''، چٹان لاہور، (اقبال نمبر) ۲۴ اپریل ۱۹۶۷ء

۲۱۔ ''کلام اقبال کا منسوخ حصہ''، چٹان لاہور ۲۴ اپریل ۱۹۶۷ء

۲۲۔ ''کیا اقبال اشتراکی تھے''، ایضاً ۲۱ تا ۲۷ اپریل ۱۹۶۹ء

ایضاً، ۱۹ اپریل ۱۹۷۶ء

ایضاً، ۲۶ اپریل ۱۹۷۶ء

ایضاً، ۱۰ مئی ۱۹۷۶ء

۲۳۔ ''اقبال اور ملا'' ایضاً، ۱۱ مئی ۱۹۶۹ء

۲۴۔ ''اقبال کی اردو نثر'' ایضاً، ۲۱ اپریل ۱۹۷۰ء

۲۵۔ ''علاقائیت اقبال کی نظر میں'' مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۲۱ اپریل ۱۹۷۰ء

۲۶۔ ''اقبال کا تصور پیکار''، ضیابار، سرگودھا (اقبال نمبر) ۱۹۷۳ء

۲۷۔ ''اقبال اور سیاسیات'' مشمولہ: اقبال معاصرین کی نظر میں، از پروفیسر سید وقار عظیم (مرتب) لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء

۲۸۔ ''ابوریحان البیرونی کا تصور حرکت و تاریخ اقبال کی نظر میں''، مشمولہ: مقالات اقبال دوسری بین الاقوامی کانگرس منعقدہ لاہور ۹ تا ۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء جامعہ پنجاب (س۔ن)

۲۹۔ ''کیا اقبال جدیدیت کے پیشرو تھے''، اقبال ریو کراچی نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۴ء

۳۰۔ ''مکمل اور حقیقی اقبال کی تلاش''، چٹان لاہور ۱۹ تا ۲۵ نومبر ۱۹۷۴ء

۳۱۔ ''فکر اقبال کا مرکزی نکتہ، بازیافت''، ایضاً، ۲۶ نومبر تا ۲ دسمبر ۱۹۷۴ء

۳۲۔ ''ملی وجود کے تین دشمن، مغربیت، امتزاجیت اور مقامیت''، ایضاً ۳ تا ۹ دسمبر ۱۹۷۴ء

۳۳۔ ''کلام اقبال میں افرنگ کی حیثیت'' ایضاً، ۱۰ تا ۱۲ دسمبر ۱۹۷۴ء

۳۴۔ ''غلبۂ افرنگ کے تین محاذ، ۱۔ فرنگی سیاست، ۲۔ فرنگی معاشرت، فرنگی فکر و حکمت''، ایضاً۔ ۱۷ تا ۲۳ دسمبر ۱۹۷۴ء

۳۵۔ ''فرنگی سیاست کے معنی؟ صلیبی انتقامی ردعمل کی تنظیم'' چٹان لاہور ۲۴ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۷۴ء

۳۶۔ ''اقبال کے نظریۂ علم کے چند پہلو''، ایضاً، جنوری ۱۹۷۴ء (یہ مقالہ بتقریب جشن یک صد سالہ اقبال، منعقدہ ۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء

۳۷۔ ''فرنگ کے سیاسی نظریے''،ایضاً۔۳۱دسمبر۱۹۷۴ء تا۶جنوری ۱۹۷۵ء

۳۸۔ ''فرنگی معاشرت۔اقوام مشرق کی موت''،ایضاً۔۷تا۱۳جنوری ۱۹۷۵ء

۳۹۔ ''فرنگ کا تیسرا محاذ۔فکر وحکمت''،ایضاً۔۱۴تا۲۰جنوری ۱۹۷۵ء

۴۰۔ ''کلامِ اقبال کا مصور۔عبدالرحمٰن چغتائی ایضاً، ۲۸جنوری تا۳فروری ۱۹۷۵ء

۴۱۔ ''حکمت افرنگ، بینائے کوروست تماشائے رنگ و بو''،ایضاً،۴تا۱۰فروری ۱۹۷۵ء

۴۲۔ ''فرنگ دل کی خرابی، خرد کی معموری''ایضاً،۲۴فروری ۱۹۷۵ء

۴۳۔ ''ذکر وفکر اقبال کو عام کیجئے''،ایضاً،۲۴فروری ۱۹۷۵ء

۴۴۔ ''فرنگ کی ایک اور محرومی، غلط سیاسی فلسفہ''،ایضاً،۱۰مارچ ۱۹۷۵ء

۴۵۔ ''مغرب کے سیاسی فکر پر اقبال کی تنقید''، ایضاً،۱۷مارچ ۱۹۷۵ء

ایضاً،۲۴مارچ ۱۹۷۵ء

۴۶۔ ''پنجاب یونی ورسٹی علامہ اقبالؒ کے چند عقیدت مند''، ایضاً، ۳۱مارچ ۱۹۷۵ء

۴۷۔ ''اقبال پر ایک کتاب''،ایضاً،۷اپریل ۱۹۷۵ء

۴۸۔ ''کلامِ اقبال پر ترنم،ایضاً،۱۴ اپریل ۱۹۷۵ء

۴۹۔ ''چند مشورے،قومی اقبال کمیٹی کی مجلس عاملہ کی خدمت میں''ایضاً ۲۱اپریل ۱۹۷۵ء

۵۰۔ ''نظریہ خودی کی سہل ترین تشریح''،ایضاً،۵مئی ۱۹۷۵ء

(۲)ایضاً،۱۲ مئی ۱۹۷۵ء،(۳)ایضاً،۱۹مئی ۱۹۷۵ء

۵۱۔ ''تصور خودی کی سہل ترین تشریح،خودی کا سلسلۂ عمل''،ایضاً، ۲۶مئی ۱۹۷۵ء

۵۲۔ ''دو دن شہر اقبال میں''،ایضاً،۲جون ۱۹۷۵ء

۵۳۔ ''خودی کا سلسلۂ عمل، پیکار اور ابلیس''،ایضاً،۹جون ۱۹۷۵ء

۵۴۔ ''خودی کا استحکام۔تعلیم وتربیت''ایضاً،۱۶جون ۱۹۷۵ء

۵۵۔ ''خودی کے استحکام میں عقل کا مقام''،ایضاً،۲۳جون ۱۹۷۵ء

۵۶۔ ''رموز بے خودی یا اجتماعی خودی''،ایضاً،۳۰جون ۱۹۷۵ء

۵۷۔ ''ملت اسلام میں تمدن کی بنیادیں''،ایضاً،۷جولائی ۱۹۷۵ء

۵۸۔ ''خودی کا صنف''،ایضاً،۱۴جولائی ۱۹۷۵ء

۵۹۔ ''اقبال کی خودی۔صوفیوں کی بے خودی''،

۳۷۔ ''فرنگ کے سیاسی نظریے''،ایضاً۔۳۱دسمبر۱۹۷۴ء تا۶ جنوری ۱۹۷۵ء

۳۸۔ ''فرنگی معاشرت۔اقوام مشرق کی موت''،ایضاً۔۷تا۱۳جنوری ۱۹۷۵ء

۳۹۔ ''فرنگ کا تیسرا محاذ۔فکر وحکمت''،ایضاً۔۱۴تا۲۰جنوری ۱۹۷۵ء

۴۰۔ ''کلامِ اقبال کا مصور۔عبدالرحمٰن چغتائی ایضاً، ۲۸جنوری تا۳فروری۱۹۷۵ء

۴۱۔ ''حکمت افرنگ، بینائے کوروست تماشائے رنگ وبو''،ایضاً،۴تا۱۰فروری ۱۹۷۵ء

۴۲۔ ''فرنگ دل کی خرابی،خرد کی معموری''ایضاً،۲۴فروری۱۹۷۵ء

۴۳۔ ''ذکر وفکر اقبال کو عام کیجیے''،ایضاً،۲۴فروری۱۹۷۵ء

۴۴۔ ''فرنگ کی ایک اور محرومی،غلط سیاسی فلسفہ''،ایضاً،۱۰مارچ۱۹۷۵ء

۴۵۔ ''مغرب کے سیاسی فکر پر اقبال کی تنقید''، ایضاً،۱۷مارچ۱۹۷۵ء

ایضاً،۲۴مارچ۱۹۷۵ء

۴۶۔ ''پنجاب یونی ورسٹی علامہ اقبالؒ کے چند عقیدت مند''، ایضاً، ۳۱مارچ۱۹۷۵ء

۴۷۔ ''اقبال پر ایک کتاب''،ایضاً،۷اپریل۱۹۷۵ء

۴۸۔ ''کلامِ اقبال پہ ترنم،ایضاً،۱۴ اپریل۱۹۷۵ء

۴۹۔ ''چند مشورے،قومی اقبال کمیٹی کی مجلس عاملہ کی خدمت میں''ایضاً ۲۱اپریل۱۹۷۵ء

۵۰۔ ''نظریۂ خودی کی سہل ترین تشریح''،ایضاً،۵مئی۱۹۷۵ء

(۲)ایضاً،۱۲ مئی۱۹۷۵ء،(۳)ایضاً،۱۹مئی۱۹۷۵ء

۵۱۔ ''تصورِ خودی کی سہل ترین تشریح،خودی کا سلسلۂ عمل''،ایضاً، ۲۶مئی۱۹۷۵ء

۵۲۔ ''دو دن شہرِ اقبال میں''،ایضاً،۲جون۱۹۷۵ء

۵۳۔ ''خودی کا سلسلۂ عمل، پیکار اور ابلیس''،ایضاً،۹جون۱۹۷۵ء

۵۴۔ ''خودی کا استحکام۔تعلیم وتربیت''ایضاً،۱۶جون۱۹۷۵ء

۵۵۔ ''خودی کے استحکام میں عقل کا مقام''،ایضاً،۲۳جون۱۹۷۵ء

۵۶۔ ''رموزِ بے خودی یا اجتماعی خودی''،ایضاً،۳۰جون۱۹۷۵ء

۵۷۔ ''ملت اسلام میں تمدن کی بنیادیں''،ایضاً،۷جولائی۱۹۷۵ء

۵۸۔ ''خودی کا صنف''،ایضاً،۱۴جولائی۱۹۷۵ء

۵۹۔ ''اقبال کی خودی۔صوفیوں کی بے خودی''،

ایضاً، ۲۱ جولائی ۱۹۷۵ء

۶۰۔ ''نقوش اقبال، ایک نیا نقطۂ نظر''،
ایضاً، ۱۴ اگست ۱۹۷۵ء

۶۱۔ ''فلسفہ زدہ سید زادہ اور اقبال''،
ایضاً، ۱۱ اگست ۱۹۷۵ء

۶۲۔ ''اسرار معراج اقبال کی نظر میں''،
ایضاً، ۱۸ اگست ۱۹۷۵ء

۶۳۔ ''عجم و عجمیت اقبال کی نظر میں''، ایضاً، ۲۵ اگست ۱۹۷۵ء
(۲) ایضاً، یکم ستمبر ۱۹۷۵ء (۳) ایضاً، ۸ ستمبر ۱۹۷۵ء

۶۴۔ ''اقبال در راہِ مولوی''، ایضاً، ۱۵ ستمبر ۱۹۷۵ء

۶۵۔ ''اقبال و تصوف''، ایضاً، ۲۲ ستمبر ۱۹۷۵ء

۶۶۔ ''علامہ اقبال اور تصوف''، ایضاً، ۲۹ ستمبر ۱۹۷۵ء

۶۷۔ ''اقبالؒ کے معاشی تصورات''،
(۱) ایضاً، ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء، (۲) ایضاً، ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء

۶۸۔ ''کیا اقبال خوشہ چین تھے؟ اقبال جامع حکما میں سے تھے ایضاً، ۵ جون ۱۹۷۵ء

۶۹۔ ''اقبال کی ایک ترکیب''، ایضاً، ۶ مئی ۱۹۷۵ء

۷۰۔ ''نوجوان اور مطالعۂ اقبال''، 'مفکر' سیالکوٹ (اقبال نمبر)، ۱۹۷۵ء

۷۱۔ ''اقبال اور دانتے کے ذہنی فاصلے'' صحیفہ، لاہور، جنوری/فروری ۱۹۷۶ء

۷۲۔ ''اقبال کے غیر مسلم مداح اور نقاد''، صحیفہ، لاہور (اقبال نمبر) جولائی/اکتوبر ۱۹۷۷ء

۷۳۔ ''اقبال اور ابن عربی''، نقوش، لاہور (اقبال نمبر)، ستمبر ۱۹۷۷ء

۷۴۔ ''اقبال دیدہ و شنیدہ''، مشمولہ: یادِ اقبال، از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاہور،
سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء

۷۵۔ ''اقبال کا ادبی فن''، مشمولہ اقبال بحیثیت شاعر، از رفیع الدین ہاشمی (مرتب)،
لاہور مجلس ادب ترقی، ۱۹۷۷ء

۷۶۔ ''اقبال اور وجودیت''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور ۱۹۷۷ (جشن اقبال نمبر)

۷۷۔ "گلشن راز جدید۔خطبات کے آئینے میں"، اقبال، لاہور، اپریل۔ جولائی ۱۹۷۷ء (اقبال نمبر)

۷۸۔ "اقبال فہمی کے بنیادی اُصول"، تعلیمات، لاہور، مارچ ۱۹۷۸ء

۷۹۔ "اقبال اور ابن خلدون"، اورینٹل کالج میگزین لاہور، جلد ۵۸ (۱۹۸۲ء)

۸۰۔ "اقبال و تصوف"، ایضاً۔۱۹۸۴ء

تنقید/تحقیق: (مقالات)

۱۔ "شاعر کہستان کے تازہ گیت" نیرنگ خیال لاہور، اگست ۱۹۳۵ء

۲۔ "مولانا حالی کی کتب سوانح"، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۳۷ء

۳۔ "اُنیسویں صدی کا ایک مصنف اور مفکر"، (سرسید)، ایضاً فروری ۱۹۳۷ء

________ ایضاً، اگست ۱۹۳۷ء

۴۔ "شبلی فکرِ جدید سے کیونکر روشناس ہوئے"، ایضاً مئی ۱۹۳۸ء

۵۔ "نذیر احمد کے قصے"، ایضاً اگست ۱۹۳۸ء

۶۔ "سرسید کے ہم خیال علماء کے دینی نظریے"، ایضاً نومبر ۱۹۳۸ء

۷۔ "سرسید کے زیر اثر ادبی تنقید کی ابتدا"، ایضاً فروری ۱۹۳۹ء

۸۔ "عہدِ اسلامی کے پرانے آثار"، ایضاً مئی ۱۹۴۰ء

۹۔ "دنیائے اردو جنگ عظیم کے بعد"، ایضاً فروری ۱۹۴۱ء

________ ایضاً مئی ۱۹۴۱ء

۱۰۔ "کیا غزل ایک نیم وحشی صنف ادب ہے"، ادب لطیف، لاہور فروری ۱۹۴۲ء

۱۱۔ "مغرب کا اثر اردو ادب پر"، (عبدالقادر) اورینٹل کالج میگزین لاہور۔ فروری ۱۹۴۳ء

۱۲۔ "ابوالقاسم البصری کی کتاب التشبیہات"، ایضاً اگست ۱۹۴۳ء

۱۳۔ "اردو کی تعمیر میں خان آرزو کا حصہ"، ایضاً نومبر ۱۹۴۳ء

۱۴۔ "قدیم عربی تصانیف میں ہندوستانی الفاظ"، ایضاً مئی ۱۹۴۳ء

۱۵۔ "شہرآشوب۔اردو کی سیاسی اور قومی شاعری کا ایک رُخ"،

(۱) اردو دہلی ۔ جولائی ۱۹۴۵ء

(۲) ضمیمۂ اورینٹل کالج میگزین، لاہور نومبر ۱۹۴۵ء

۱۶۔ ''مسلمان اور سنسکرت''، اورینٹل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۴۶ء

ایضاً مئی ۱۹۴۶ء

۱۷۔ ''ہمارے پرانے شاعروں کی علمی استعداد''، ایضاً اگست ۱۹۴۷ء

۱۸۔ ''تخلص، ہماری شاعری کی ایک قدیم اور دلچسپ روایت''، ایضاً مئی ۱۹۴۷

۱۹۔ ''رسمِ تخلص کے دستور اور قاعدے''، ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور مئی ۱۹۴۷ء

۲۰۔ پنجاب کا ایک اور ریختہ گو پیر قلندر شاہ''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور اگست ۱۹۴۷ء

۲۱۔ ''پرانی سوسائٹی میں شاعری کا مجلسی مقام، ہمایوں، لاہور جنوری ۱۹۴۷ء

۲۲۔ ''شعرائے اردو کے جلسے''، ایضاً دسمبر ۱۹۴۷ء

۲۳۔ ''صنائع و بدائع کی تقسیم جمالیاتی نقطۂ نظر سے''، ایضاً مئی ۱۹۴۹ء

۲۴۔ ''غالب کی نثر''، عالمگیر، مارچ ۱۹۴۹ء

۲۵۔ ''میر تقی میر کا رنگ طبیعت''، اردو کراچی، جولائی ۱۹۴۹ء

۲۶۔ ''میر کا انداز''، اردو کراچی، اکتوبر ۱۹۴۹ء

۲۷۔ ''میر محسن کی محاکمات الشعراء میں زبان اردو کے متعلق مفید باتیں'' اورینٹل کالج میگزین لاہور، نومبر ۱۹۵۰ء

۲۸۔ ''غالب کی اردو نثر''، 'ادبی دنیا' لاہور، جون ۱۹۵۰ء

۲۹۔ ''درد کی شاعری کا فلسفیانہ لب و لہجہ''، ادب لطیف لاہور سالنامہ ۱۹۵۰ء

۳۰۔ ''گلزار نسیم''، ادبی دنیا۔ لاہور، جون ۱۹۵۱ء

''عذرا کبریٰ۔ ایضاً، دور پنجم، شمارہ اول

۳۱۔ ''غالب کی غزل''، ادب لطیف لاہور سالنامہ، ۱۹۵۱ء

۳۲۔ ''(مقدمہ) نوادالالفاظ (از خان آرزو)'' مطبوعہ: اردوؔ، کراچی جنوری ۱۹۵۱ء

۳۳۔ ''شبلی کا اسلوب بیان''، اردو کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء

۳۴۔ ''حالی کا تصور اسلوب''،

ایضاً۔ (حالی نمبر) ۱۹۵۲ء

۳۵۔ ''اردو مثنوی کا دکنی دور''، اورینٹل کالج لاہور، نومبر ۱۹۵۲ء

۳۶۔ ''میر و غالب کی ہم طرح غزلیں''، ایضاً، مارچ ۱۹۵۲ء

۳۷۔ ''میر کی مثنوی نگاری''، ایضاً، اپریل۔مئی ۱۹۵۲ء

۳۸۔ ''سرسید کا نیچرل طرز بیان،'' 'خاور، ڈھاکہ، جون ۱۹۵۲ء

۳۹۔ ''سرسید کے افکار و تصورات''، ادب دنیا لاہور سالنامہ ۱۹۵۳ء

۴۰۔ ''اردو کی مزید ترقی کے امکانات'' ماہ نو، کراچی (مذاکرہ) جون ۱۹۵۳ء شرکاء:

ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی

۴۱۔ ''اردو کی مزید ترقی کے امکانات''، ماہ نو کراچی، جولائی ۱۹۵۳ء

۴۲۔ ''اردو سوانح نگاری سرسید کے زمانے میں''، ایضاً اگست ۱۹۵۳ء

۴۳۔ ''ادب کا قدیم تصور''، مشرب، جولائی ۱۹۵۳ء

۴۴۔ ''دیوان غالب کا ایک نادر قلمی نسخہ''، ماہ نو کراچی، جولائی ۱۹۵۴ء

۴۵۔ ''غالب کا حاسۂ انتقاد''، ایضاً ستمبر ۱۹۵۴ء

________ ایضاً جنوری، فروری ۱۹۶۹ء

________ 'ماہ نو' لاہور ستمبر ۱۹۷۷ء

۴۶۔ ''تقلید میر۔ یا شارع عام''، ماہ نو لاہور، دسمبر ۱۹۵۴ء

۴۷۔ ''حالی کا اسلوب بیان''، اردو کراچی، جنوری ۱۹۵۴ء

۴۸۔ سرسید کا اثر اردو ادبیات پر'' علی گڑھ میگزین، سرسید نمبر، ۱۹۵۵ء

۴۹۔ ''شاعری۔ جنون یا عمد؟''، ادب لطیف لاہور، مارچ ۱۹۵۵ء

۵۰۔ ''میر اور نیرنگ عناصر''، ماہ نو کراچی، مئی ۱۹۵۵ء

۵۱۔ ''انگریزی کے بیس سال اور''، ادب لطیف لاہور، مارچ ۱۹۵۶ء

۵۲۔ ''میر تقی میر اور نقاش کا فن''، ایضاً اپریل ۱۹۵۶ء

۵۳۔ ''اردو شاعری گذشتہ سال میں''، ماہ نو کراچی، اگست ۱۹۵۶ء

۵۴۔ ''خیال اور تخیل''، 'تخلیق' کراچی، اگست ۱۹۵۶ء

۵۵۔ ''ادب، اخلاق اور آزادی''، ہمایوں لاہور، مارچ ۱۹۵۶ء

۵۶۔ ''تاریخ کی منسوخ شاعری''، نئی تحریریں، لاہور، ۱۹۵۷ء

۵۷۔ ''کاغذی پیرہن''، نئی قدریں، حیدرآباد سندھ، ۱۹۵۷ء

۵۸۔ ''میر کا ایک نقاد۔ محمد حسین آزاد''، ادب لطیف لاہور، جون ۱۹۵۷ء

۵۹۔ ''غزل کی ہیئت کا سوال''، ایضاً۔ سالنامہ، ۱۹۵۷ء

۶۰۔ ''میر کے کلام میں فکر و نظر کا عنصر''، علی گڑھ میگزین، ۱۹۵۷ء

۶۱۔ ''ادبیات اردو پر سرسید کا اثر''، ثقافت لاہور، جولائی ۱۹۵۷ء

۶۲۔ ''تنقید (۱۹۵۷ء میں)''، ادب لطیف لاہور، فروری ۱۹۵۸ء

۶۳۔ ''حقی کی غزل۔ ایک نیا ذائقہ''، ایضاً نومبر۔ دسمبر ۱۹۵۸ء

۶۴۔ ''ادب یا دکھوں کی تجارت۔'' استقلال، لاہور، ۱۹۵۸ء

۶۵۔ ''غالب کی غزل''، ادب لطیف لاہور، ۱۶ نومبر ۱۹۵۸ء

۶۶۔ ''شبلی کے کلام کی مجموعی قدر و قیمت''، 'البصیر' اسلامیہ کالج چنیوٹ، ۱۹۵۸ء

۶۷۔ ''داغ و میر کی نزاع'، نئی قدریں۔ حیدرآباد سندھ، ۱۹۵۸ء

۶۸۔ ''گذشتہ دس سال کا اردو ادب''، ہمایوں لاہور، سالنامہ ۱۹۵۸ء

۶۹۔ ''غزل'' غزلیت اور تغزل''، صحیفہ، لاہور، جون ۱۹۵۸ء

۷۰۔ ''شاعری کا مجلسی مقام''، قومی زبان، کراچی، مئی ۱۹۵۸ء

۷۱۔ ''نذیر احمد'' قومی زبان کراچی، ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

(دوسری قسط) ایضاً یکم نومبر ۱۹۵۸ء

۷۲۔ ''حالی کی قطعہ نگاری''، نقوش لاہور، ۱۹۵۸ء

۷۳۔ ''شاعری۔ خرافات سے سائنس تک''، ادب لطیف لاہور سالنامہ ۱۹۵۹ء

۷۴۔ ''حالی کی نثر نگاری''، فروغ اردو، لکھنؤ حالی نمبر، ۱۹۵۹ء

۷۵۔ ''اردو مثنویات میں قصہ پن''، قند، افسانہ نمبر، ۱۹۵۹ء

۷۶۔ ''تخلیقی عمل اور ذوق سلیم''، ہم قلم، کراچی، ۱۹۵۹ء

۷۷۔ ''اردو کی ادبی صلاحیتیں''، ادب لطیف لاہور، فروری ۱۹۶۰ء

۷۸۔ ''میں اور غالب''، ادب لطیف لاہور، سالنامہ ۱۹۶۰ء

۷۹۔ ''اردو ادب کا مزاج''، صحیفہ لاہور، اگست ۱۹۶۰ء

۸۰۔ ''میر اور ذہن جدید''، ایضاً (شمارہ ۱۳) ۱۹۶۰ء

۸۱۔ ''ڈاکٹر عبدالخالق کا اسلوب تحریر''، برگِ گل، کراچی، ۱۹۶۰ء

۸۲۔ ''مرحوم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا حکیمانہ ادب''، ثقافت لاہور، مارچ ۱۹۶۰ء

۸۳۔ ''خیالات اکبر پر ایک تحریر''، ادب لطیف لاہور، فروری ۱۹۶۱ء

۸۴۔ ''ایک نظم گو'' (مجید امجد کی شاعری)' ادب لطیف لاہور، سالنامہ ۱۹۶۱ء

۸۵۔ ''ہماری تعلیم میں سائنس اور سائنسیت''، لیل ونہار، لاہور، فروری ۱۹۶۱ء

۸۶۔ ''تحقیق وتنقید کے مقام اتصال''، ہم قلم۔ کراچی، مئی ۱۹۶۱ء

۸۷۔ ''افکار و مسائل''، ادب لطیف لاہور، فروری، مارچ ۱۹۶۲ء

۸۸۔ ''مولوی عبدالحق کا اسلوب تحریر''، اردو کراچی (بابائے اردو نمبر) ۱۹۶۲ء

۸۹۔ ''ریاضی کی عربی روایت الوداع''، 'نوائے وقت' لاہور، ۱۴ اگست ۱۹۶۲ء

۹۰۔ ''میر کا احساس شہریت''، اورینٹل کالج میگزین۔ لاہور، سالنامہ ۱۹۶۳ء

۹۱۔ ''حفیظ کی شاعری۔ نالہ پابند نے'' 'افکار' کراچی (حفیظ نمبر) اگست۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء

۹۲۔ ''رومانیت''، ادب لطیف لاہور، جوبلی نمبر ۱۹۶۳ء

۹۳۔ ''غالب کی تصویر آفرینی''، ماہِ نو، لاہور، مارچ ۱۹۶۳ء

۹۴۔ ''مومن خان، غزل سے مسجد تک''، اورینٹل کالج میگزین لاہور سالنامہ ۱۹۶۴ء

۹۵۔ ''اردو کا ایک جرمن شاعر فرانسو''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۶۴ء

'ادبی دنیا' لاہور، اگست ۱۹۴۴ء

۹۶۔ ''غالب کی سوانح نگاری'' ایضاً مئی ۱۹۶۴ء

۹۷۔ ''عجائب القصص شاہ عالم (آفتاب)''، ایضاً فروری ۱۹۶۵ء

۹۸۔ ''ادبی مسائل''، ساقی، کراچی، ستمبر ۱۹۶۵ء

۹۹۔ ''میکدے میں میر''، ادب لطیف لاہور، سالنامہ ۱۹۶۶ء

۱۰۰۔ ''غالب شناسی، ایک کلچر، ایک اسلوب حیات''، افکار کراچی (غالب نمبر)

مارچ ۱۹۶۶ء

۱۰۲۔ ''تنقید کا دور قدیم''، اوراق لاہور، اپریل ۱۹۶۶ء

۱۰۳۔ ''اردو شاعری پر ایک اور نظر''، فنون لاہور، فروری۔ مارچ ۱۹۶۶ء

۱۰۴۔ ''غالب۔ شاعر دوزبان''، قومی زبان کراچی، فروری ۱۹۶۷ء

۱۰۵۔ ''میر کی اہمیت ہمارے زمانے میں''، صحیفہ لاہور، جنوری ۱۹۶۸ء

۱۰۶۔ ''تازہ گوئی۔ایک ادبی تحریک''، العارف، لاہور، جولائی ۱۹۶۸ء

۱۰۷۔ ''غالب۔پیشرو اقبال''، ماہ نو، لاہور، جنوری۔فروری ۱۹۶۹ء

۱۰۸۔ ادب شناسی کی منزلیں، چٹان لاہور، ۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء

۱۰۹۔ شاعری کیا ہے، ایضاً ۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۱۱۰۔ مطالعہ ادب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ ایضاً ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۱۱۱۔ ہم آہنگ، اسے نالہ میں کسی پردے میں آہنگ نکالوں'' ایضاً ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۱۱۲۔ ادب کے عناصر، معنی اور صورت''، ایضاً ۸ نومبر ۱۹۷۱ء

۱۱۳۔ ''کیا ادب کو ادیب سے جدا کیا جا سکتا ہے''، ایضاً ۲۹ نومبر ۱۹۷۱ء

۱۱۴۔ ''آواز یا دور شعلہ آواز''، ایضاً یکم نومبر ۱۹۷۱ء

۱۱۵۔ ''گر بہ معنی نرسی جلوۂ صورت چہ کم است''، ایضاً ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء

۱۱۶۔ ''میر تقی میر''، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند (دوم) مطبوعہ: ۱۹۷۱ء، ص: ۱۲۶-۱۳۵

۱۱۷۔ ''تہذیب الاخلاق کی اہمیت''، 'العلم' کراچی، اپریل تا جون ۱۹۷۲ء

۱۱۸۔ ''دین، تصوف، اخلاق''، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، جلد ۵، فارسی ادب (سوم) مطبوعہ: ۱۹۷۲ء ص: ۲۹۳-۳۱۷

۱۱۹۔ ''لغات، زباندانی و زبان آموزی وغیرہ''، ایضاً، جلد ۵، فارسی ادب (سوم)، مطبوعہ: ۱۹۷۲ء

۱۲۰۔ ''لغات''، زبان آموزی و زباندانی وغیرہ''، ایضاً، جلد ۵، فارسی ادب (سوم)، حصہ دوم، مطبوعہ: ۱۹۷۲ء، ص: ۵۷۲-۵۸۸

۱۲۱۔ ''دینی ادب''، ایضاً، جلد ۵، فارسی ادب (سوم) حصہ دوم مطبوعہ: ۱۹۷۲ء، ص: ۵۸۹-۶۰۹

۱۲۲۔ ''اقبال''، ایضاً، جلد ۱۰، اردو ادب (جلد پنجم) مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ص: ۵۵-۸۹

۱۲۳۔ ''نوادر المکاتیب''، 'اردو نامہ' کراچی شمارہ: ۴۴-۴۵ مارچ ۱۹۷۳ء

۱۲۴۔ ''جرمن شاعری پر اسلامی اثرات، گوئٹے خالص مشرقیمیں پناہ لینے کے لئے مضطرب تھے'' چٹان لاہور، ۱۰ دسمبر ۱۹۷۳ء

۱۲۵۔ ''عصری ادب میں یاس اور جھنجلاہٹ کیوں؟''، اوراق لاہور نومبر، دسمبر ۱۹۷۴ء

۱۲۶۔ ''شاہ اسمٰعیل شہید کا اردو کلام''، چٹان لاہور، ۱۳ مئی ۱۹۷۴ء

۱۲۷۔ ''تعصب سے نیکی تک''، فنون لاہور، اپریل۔ مئی ۱۹۷۴ء

۱۲۸۔ ''میر تقی میر''، ماہ نو، لاہور، نومبر ۱۹۷۸ء

۱۲۹۔ ''ہمارے ادب میں کرب کا مسئلہ''، چٹان لاہور، ۱۶ جولائی ۱۹۷۹ء

۱۳۰۔ ''حضرت بھٹائی کے ذہن وذوق کا سرسری مطالعہ۔ فنون لاہور، جون، جولائی ۱۹۷۹ء

۱۳۱۔ ''ہمارا قومی ادب''، ماہ نو لاہور، جنوری ۱۹۷۹ء

۱۳۲۔ ''تاریخ لاہور پر مزید دھندلی سی روشنی''، مجلہ تحقیق، لاہور، ستمبر ۱۹۷۹ء

۱۳۳۔ ''اردو ادب۔ چند اصولی باتیں''، 'اوراق'، لاہور، فروری ۱۹۸۰ء

۱۳۴۔ ''تنقید کیا ہے''، 'سرسیدین'، راولپنڈی، جنوری ۱۹۸۲ء

۱۳۵۔ ''غالب کی اردو نثر''، ادبی دنیا لاہور، جون ۱۹۸۵ء

۱۳۶۔ ''قصیدہ ایک فن ایک اسلوب تحریر''، 'سات رنگ' کراچی

۱۳۷۔ ''میں اور میر'' 'سویرا' لاہور، شمارہ ۲۳

۱۳۸۔ ''نذیر احمد کی انفرادیت''، 'نقوش' لاہور، شمارہ ۵۵-۵۶

۱۳۹۔ ''اردو خطوط نگاری''، 'نقوش'، لاہور شمارہ ۶۵-۶۶

۱۴۰۔ ''مسلمانوں کے ادب میں مزاح کے تنوعات''، 'نقوش' لاہور شمارہ ۷۷-۷۸

۱۴۱۔ ''میر کا رنگ طبیعت''، 'نقوش' لاہور، شمارہ ۱۲۶ (میر تقی میر نمبر ۲)

قومی زبان /پاکستانیات / کلچر / تعلیم

۱۔ ''پنجاب یونی ورسٹی عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کی روداد کارکردگی ۱۹۳۲ء-۱۹۴۳ء'' (صحیفہ) اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۴۳ء

۲۔ ''آئین نامہ پنجاب یونی ورسٹی عربک اینڈ پرشین سوسائٹی، (ضمیمہ) اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۴۳ء

۳۔ ''پاکستان میں اردو کا مستقبل''، ہمایوں لاہور، جنوری ۱۹۴۸ء

۴۔ ''اردو اپنے نئے ماحول میں''، قومی زبان کراچی اگست ۱۹۴۸ء

۵۔ ''پاکستان میں اردو کا پہلا سال''، ہمایوں لاہور، سالگرہ نمبر اگست ۱۹۴۸ء

۶۔ ''پنجاب یونی ورسٹی میں اردو''، قومی زبان، کراچی، ۲۲ جولائی ۱۹۴۸ء

۷۔ ''پنجاب یونی ورسٹی کے امتحان ایم۔اے اردو کا نصاب''، ایضاً ۲۲ جولائی ۱۹۴۸ء

۸۔ ''تعلیمات میں اصلاح کا مسئلہ''، ایضاً ۲۳ جنوری ۱۹۴۹ء

۹۔ ''سالانہ روداد اورینٹل کالج''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور مئی ۱۹۵۱ء

______ ایضاً مئی ۱۹۵۵ء

______ ایضاً مئی ۱۹۵۶ء

______ ایضاً اگست ۱۹۵۷ء

______ ایضاً اگست ۱۹۵۸ء

۱۰۔ ''پنجاب میں ابتدائی تعلیم کس زبان میں دی جائے''، (سید عبداللہ کا انٹرویو)
قومی زبان۔کراچی یکم جولائی ۱۹۵۱ء

۱۱۔ ''اورینٹل کالج کے چوراسی سال''، اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۵۴ء

۱۲۔ ''خطبۂ استقبالیہ۔یوم کالج''، ایضاً نومبر ۱۹۵۴ء

______ ایضاً نومبر ۱۹۵۴ء

______ ایضاً فروری ۱۹۵۶ء

______ ایضاً فروری، مئی ۱۹۵۸ء

______ ایضاً فروری ۱۹۶۰ء

______ ایضاً فروری ۱۹۶۱ء

______ ایضاً فروری ۱۹۶۳ء

______ ایضاً نومبر ۱۹۶۳ء

۱۳۔ ''پنجاب یونی ورسٹی اور اردو''، ادب لطیف، لاہور، جون ۱۹۵۵ء

۱۴۔ ''پاکستان میں انگریزی کا صحیح مقام''، قومی زبان کراچی، یکم جنوری ۱۹۵۶ء

۱۵۔ ''ہمارے تعلیمی مسائل''، ثقافت، لاہور، جنوری ۱۹۵۸ء

۱۶۔ ''پاکستان میں تعلیم''، قومی زبان کراچی، یکم جنوری ۱۹۵۸ء

۱۷۔ ''پاکستانی کلچر کا مسئلہ''، اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۰ء

۱۸۔ ''پاکستان میں عربی وفارسی کی تعلیم کا مستقبل'' اورینٹل کالج لاہور، نومبر ۱۹۶۰ء

۱۹۔ ''اردو رسم الخط کی فلسفیانہ بنیادیں''، قومی زبان کراچی، یکم مارچ ۱۹۶۱ء

______، محور، لاہور، ۱۹۶۱ء

۲۰۔ ''ہماری تعلیم میں سائنس اور سائنسیت''، پھول ونہال، لاہور، فروری ۱۹۶۱ء

۲۱۔ ''اردو پنجابی کا مسئلہ''، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۲ دسمبر ۱۹۶۲ء

ایضاً (قومی زبان، کراچی، جلد ۲۲، شمارہ ۵)، ۱۳ دسمبر ۱۹۶۲ء

۲۲۔ ''ہماری تعلیم اور اس کے مقاصد''، قومی زبان کراچی، ستمبر ۱۹۶۳ء

۲۳۔ ''ہمارے تعلیمی ادارے اخلاق کے مرقد بنتے جا رہے ہیں''، (خطبہ)، چٹان، لاہور، ۳ مارچ ۱۹۶۸ء

۲۴۔ ''تحریک پاکستان کے فکری عناصر''، چٹان، لاہور، یکم اپریل ۱۹۶۸ء

۲۵۔ ''نئی تعلیمی پالیسی ماہرین کی نظر میں، قومی نقطۂ نظر سے تعلیم کی غرض وغایت کو متعین کر دیا گیا ہے'' چٹان لاہور، ۱۴ جولائی ۱۹۶۹ء

۲۶۔ ''تعلیمی مسائل اور تقاضے''، ایضاً ۲۲ دسمبر ۱۹۶۹ء

۲۷۔ ''ہماری تعلیم کے مضر عناصر قومی نقطۂ نظر سے''، ترجمان الحدیث لاہور جون ۱۹۷۰ء

۲۸۔ ''اردو کے موجودہ اہم مسائل''، قومی زبان، کراچی، نومبر ۱۹۷۰ء

۲۹۔ ''خطبۂ استقبالیہ''، قومی زبان، کراچی، نومبر ۱۹۷۰ء، (یہ خطبہ سالانہ جلسۂ انعامات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور میں بتاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء پڑھا گیا)

۳۰۔ ''اردو میں سائنسی ادب''، فنون لاہور، جولائی۔اگست ۱۹۷۰ء

۳۱۔ ''قومی زبانوں کے سلسلہ میں کمیشن سے سخت مایوسی ہوئی ہے''، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ء

۳۲۔ ''لسانی کمیشن کا مطالبہ کیوں؟ قائداعظم کے فرمان کی تعمیل کب ہوگی''
ایضاً ۲۲ مئی ۱۹۷۰ء

۳۳۔ ''ایک نئی علمی روایت کی دعوت''، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۳ اپریل ۱۹۷۰ء

۳۴۔ ''قومی ارتباط تعلیم کے توسط سے''، 'چٹان' لاہور، ۵ جنوری ۱۹۷۰ء

۳۵۔ ''ایک نئی علمی روایت''، چٹان لاہور۔ ۲ فروری ۱۹۷۰ء

۳۶۔ ''استاد اور معاشرہ''، چٹان لاہور، ۱۶ فروری ۱۹۷۰ء

۳۷۔ ''اردو نثر کے نصابات''، چٹان لاہور، ۲۶ جولائی ۱۹۷۱ء

۳۸۔ ''سائنس کے اردگرد سائنسی برہمنوں نے حصار کھینچ رکھا ہے''، اردو نامہ لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۳۹۔ ''انگریزی نہیں چلے گی، بے خانے جلد ٹوٹنے والے ہیں۔ (اردو انجمنوں کی آٹھویں سالانہ مجلس مشاورت میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا خطبۂ استقبالیہ)''، اردو نامہ لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۴۰۔ ''اردو اور نظریۂ پاکستان''، المعارف لاہور، ۱۱ جنوری ۱۹۷۱ء
(یہ مقالہ ادارۂ ادبیات کے سالانہ جلسہ میں ۱۲ جون ۱۹۷۰ء کو پڑھا گیا)

۴۱۔ ''تخلیقِ پاکستان کے ثقافتی محرکات''، چٹان لاہور۔ ۲۸ فروری ۱۹۷۲ء
(یہ خطبہ ایجوکیشن سنٹر لاہور میں ۱۸ فروری کو پڑھا گیا)
__________ المعارف، لاہور، اگست ۱۹۷۲ء

۴۲۔ ''پاکستان۔ مسئلہ قومیت و زبان''، اردو نامہ، لاہور، ۱۲ جون ۱۹۷۲ء

۴۳۔ ''اورینٹل کالج کا صد سالہ میلہ، ڈاکٹر سید عبداللہ سے انٹرویو، چٹان لاہور، ۱۹ اپریل ۱۹۷۳ء

۴۴۔ ''پاکستان میں اردو کی بپتا''، اردو نامہ لاہور، ۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء

۴۵۔ ''سائنسی کتابوں کی اردو میں اشاعت'' بنیادی مشکلات'' اردو نامہ لاہور ۱۲ تا ۱۸ نومبر ۱۹۷۳ء

۴۶۔ '' خطبۂ استقبالیہ''، قومی زبان کراچی، جنوری ۱۹۷۴ء (مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے اٹھارویں سالانہ جلسہ منعقدہ ۳ نومبر ۱۹۷۳ء کو پڑھا گیا)

۴۷۔ ''خطبۂ استقبالیہ''، قومی زبان کراچی، فروری ۱۹۷۴ء
(یہ خطبہ پاکستان کو اردو انجمنوں کی دسویں سالانہ مجلس مشاورت کے افتتاحی اجلاس میں پڑھا گیا)

۴۸۔ ''خطبۂ استقبال''، قومی زبان کراچی، دسمبر ۱۹۷۴ء

(یہ خطبہ پاکستان کی اردو انجمنوں کی گیارہویں سالانہ کانفرنس میں بتاریخ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء پڑھا گیا)

۴۹۔ ''اسلامی تعلیم کے چند مسائل''، اسلامی تعلیم، لاہور۔ ستمبر، دسمبر ۱۹۷۴ء

۵۰۔ ''علوم جدیدہ کو مسلمان بنانے کی ضرورت''، ایضاً نومبر، دسمبر ۱۹۷۴ء

۵۱۔ ''دینی مدارس کا نصاب تعلیم'' الحق، اکوڑہ خٹک، اکتوبر ۱۹۷۵ء

۵۲۔ ''قومی زبان کانفرنس راولپنڈی کے افتتاحی اجلاس کا خطبۂ استقبال''، قومی زبان کراچی، اپریل ۱۹۷۵ء (یہ خطبۂ استقبال ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو پڑھا گیا)

۵۳۔ ''جستجو اہل محبت کی''، قومی زبان کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء (سرگودھا قومی زبان کانفرنس منعقدہ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں پڑھا گیا)

۵۴۔ ''پاکستانی کلچر''، اوراق، لاہور، اپریل، مئی ۱۹۷۵ء (شرکاء مباحثہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی حصہ لیا۔ موضوع زیر بحث کلچر تھا۔ اس مناسبت سے اس مضمون کا نام پاکستانی کلچر رکھ دیا گیا ہے)

۵۵۔ ''پشاور کانفرنس کا مقاصد نامہ''، قومی زبان کراچی، اپریل ۱۹۷۶ء (قومی زبان کانفرنس پشاور منعقدہ ۴، ۵ اپریل ۱۹۷۶ء میں کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں پڑھا گیا)

۵۶۔ ''پاکستان کے دو مرکزی مسئلے''، اردو لاہور، ۲۹ مارچ ۱۹۷۶ء

۵۷۔ ''قائداعظم۔ تحریک بازیافت کے آخری رہنما''، صحیفہ لاہور۔ ستمبر، دسمبر ۱۹۷۶ء

۵۸۔ ''الزرنوجی، اسلامی حکمت تعلیم کا عظیم مفکر''، چٹان لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۷۹ء

''پاکستان میں اسلامی تعلیمی انقلاب کے تقاضے، کاغذی اعلانات سے اسلام کے لیے جذبۂ احترام پیدا نہیں ہوسکتا، پاکیزہ اسلامی ماحول پیدا کرنا اہم ترین ضرورت ہے''، چٹان لاہور، ۱۱ جون ۱۹۷۹ء

۵۹۔ ''انگریزی ذریعہ تعلیم کو برقرار رکھنے کی ضرورت پیدا کرلی گئی ہے'' چٹان لاہور ۱۸ جون ۱۹۷۹ء

۶۰۔ ''تعلیم میں شفقت کا مسئلہ''، چٹان لاہور ، ۶ اگست ۱۹۷۹ء

۶۱۔ ''یونیورسٹی نصابات کو مسلمان بنانے کا مسئلہ''، چٹان لاہور، ۱۳ اگست ۱۹۷۹ء

۶۲۔ ''خواندگی اور تعلیم میں فرق چاہیے'' چٹان، لاہور، ۲۰ اگست ۱۹۷۹ء

۶۳۔ ''بے ترتیب تعلیم کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ بھرے ہیں خم کے خم سے سے مگر میخانہ خالی ہے''، چٹان لاہور، ۲۷ اگست ۱۹۷۹ء

۶۴۔ ''تعلیم میں تربیت نفس کے معنی''، چٹان لاہور، ۳ ستمبر ۱۹۷۹ء

۶۵۔ ''گورنر صاحب پنجاب کا حکم نامہ اردو'' دفتری صاحب بہادروں کی سمجھ میں نہیں آیا''، اردو نامہ لاہور ۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء

۶۶۔ ''ترکی عالم تاش کپر زادہ کے تعلیمی تصورات''، مجلہ تحقیق، لاہور، مارچ، جون ۱۹۷۹ء

۶۷۔ ''انگریزی اردو جائزہ کانفرنس کے مقاصد'' قومی زبان' کراچی اپریل ۱۹۸۰ء
(یہ خطبہ افتتاحی اجلاس شام ہمدرد میں پڑھا گیا)

۶۸۔ ''اردو کو رائج کرنے کے لئے آرڈیننس جاری کیا جائے'' اردو نامہ لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۸۱ء

۶۹۔ ''پاکستان میں انگریزی کا صحیح مقام''، قومی زبان کراچی، اگست ۱۹۸۱ء

۷۰۔ ''خطبۂ استقبالی''، ایضاً دسمبر ۱۹۸۱ء
(یہ خطبہ پاکستان کی اردو انجمنوں کی ۱۸ ویں سالانہ کانفرنس میں بتاریخ ۲۶ نومبر ۱۹۸۱ء پڑھا)

۷۱۔ ''اردو ادب میں پاکستانیات کا مسئلہ'' سرسید ین، راولپنڈی، مئی ۱۹۸۱ء

۷۲۔ ''تحریک پاکستان کے ثقافتی محرکات''، چٹان لاہور، مئی ۱۹۸۱ء

۷۳۔ ''مسلمانوں کا فن تعلیم۔ ایک اہم کتاب کا تعارف''، فروزاں لاہور جولائی تا ستمبر ۱۹۸۱ء

۷۴۔ ''انگلر دو۔ پاکستان کی نئی زبان''، اردو نامہ لاہور، ۳ مئی ۱۹۸۲ء

۷۵۔ ''نسخ اور نستعلیق کی بحث''، 'فروزاں' لاہور، جنوری تا مارچ ۱۹۸۲ء

۷۶۔ ''پاکستان میں ایک نئی جناتی زبان''، اخبار اردو، کراچی، اکتوبر ۱۹۸۲ء

۷۷۔ ''قانون کی تعلیم اور قومی زبان اردو' اردو نامہ، لاہور، جون ۱۹۸۳ء

۷۸۔ ''مشکل اور آسان زبان کا مسئلہ''، اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۴ء

۷۹۔ ''وضع واستناد اصطلاحات'' قومی زبان لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء

۸۰۔ ''کیا ہماری بھی کوئی زبان ہے؟'' روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۲ جنوری ۱۹۸۶ء

۸۱۔ ''کیا ہماری بھی کوئی زبان ہے؟'' ایضاً فروری ۱۹۸۶ء

۸۲۔ ''اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے فیصلے''، مشمولہ: منتخب مقالات اردو املا ورموز اوقاف، مرتبہ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء

۸۳۔ ''اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں املا کے معمولات''، مشمولہ: منتخب مقالات اردو املا ورموز اوقاف، مرتبہ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۶ء

۸۴۔ ''نور خان کی تعلیمی تجاویز''، اخبار اردو، اسلام آباد، مئی ۱۹۸۶ء

۸۵۔ ''انتخاب خطبات ڈاکٹر سید عبداللہ بسلسلہ نفاذ اردو''، اخبار اردو اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۸۶۔ ''قائداعظم اور نیا پاکستانی مینی فسٹو''، اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۸۷۔ ''پاکستانی ثقافت کے خدوخال''، ایضاً جنوری ۱۹۸۷ء

۸۸۔ ''تعلیم کے متعلق ہماری غلط سوچ''، ایضاً جنوری ۱۹۸۷ء

تاریخ / اسلامیات / سیاسیات / سماجیات

۱۔ ''محکمۂ آثار قدیمۂ ہند کی کارکردگی اور اسلامی باقیات کے ساتھ سلوک''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۰ء

۲۔ ''سیرت سے متعلق ادب اور اس کی اہمیت''، پرچم، کراچی، ۱۹۵۹ء

۳۔ ''تخلص''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۶، ص: ۱۷۳-۱۷۸، ۱۹۶۲ء

۴۔ ''احمد خان، سر سید''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲، ص: ۱۱۶-۱۲۲، ۱۹۶۶ء

۵۔ ''فقط وعدہ حور'' چٹان لاہور، ۲۳ جون ۱۹۶۹ء

۶۔ ''زندگی۔ بغاوت سے اعتقاد تک'' چٹان لاہور۔ یکم دسمبر ۱۹۶۹ء

۷۔ ''برھمن (چندر بھان'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۳، ص: ۷۴۳، ۱۹۶۹ء

۸۔ ''ھذا الیوم عظیم'' تیرہ برس میں مسلم اقوام نے پہلی مرتبہ مشترک مقصد کے لئے مشترک قدم اُٹھانے کی ضرورت محسوس کی''، چٹان لاہور، ۲۹ ستمبر ۱۹۶۹ء

۹۔ ''فتوے سے تقویٰ تک''، چٹان لاہور، ۸ جون ۱۹۷۰ء

۱۰۔ ''اسلامی متحدہ محاذ''، چٹان لاہور، ٦ جولائی ۱۹۷۰ء

۱۱۔ "اپنے آپ کو پہچانو مگر دوسروں کو بھی تسلیم کرو (میونسپل ڈگری کالج اوکاڑہ کے کامیاب طالب علموں سے خطاب)"، چٹان لاہور، ۵ جولائی ۱۹۷۱ء

۱۲۔ "سیاست و معاشرت کے شب و روز"، (کالم) چٹان لاہور، ۱۵ اپریل تا ۲ اگست ۱۹۷۱ء

۱۳۔ "کوئے سیاست کے شب و روز"، (کالم) چٹان، لاہور، ۱۵ جون ۱۹۷۰ تا ۲۹ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۴۔ "جمہوریت"، ادارہ معارف اسلامیہ، جلد ۷، ص: ۳۳۰-۳۳۸_۱۹۷۱ء ادارہ معارف اسلامیہ

۱۵۔ "حدیث، اصول"، ایضاً، جلد ۷، ص: ۹۷۲-۹۸۰ ۱۹۷۱ء

۱۶۔ "شبلی نے پھول مارا"، چٹان لاہور، ۳۱ جولائی ۱۹۷۲ء

۱۷۔ "مسلم ممالک کی دولت مشترکہ"، چٹان لاہور، ۴ ستمبر ۱۹۷۲ء

۱۸۔ "یقین مذہب کا دوسرا نام ہے"، پنجاب یونی ورسٹی کی انجمن ریاضی میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا خطبہ) چٹان، لاہور، ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء

۱۹۔ "موجودہ سائنسی دور میں اثبات صداقت کے تقاضے"، چٹان لاہور ۲۱ تا ۲۷ مارچ ۱۹۷۲ء

۲۰۔ "فن سیرت نگاری پر ایک نظر"، فکر و نظر، اسلام آباد، اپریل ۱۹۷۶ء

۲۱۔ "داتا گنج بخش اور ان کا عہد"، چٹان لاہور ۲۶ اپریل ۱۹۷۲ء

۲۲۔ "درد، خواجہ میر"، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۹، ص: ۲۳۷-۲۳۸، ۱۹۷۲ء

۲۳۔ "طالب آملی"، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۲، ص: ۳۶۷-۳۶۹ ۱۹۷۳ء

۲۴۔ "ظہوری"، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۲، ص: ۶۲۹-۶۳۳_۱۹۷۳ء

۲۵۔ "حسبہ (برصغیر پاک و ہند)"، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۸، ص: ۲۰۰-۲۰۳_۱۹۷۳

۲۶۔ "سبک"، (ایک حصہ)، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۰، ص: ۷۱۳-۷۲۳، ۱۹۷۳ء

۲۷۔ "تعظیم قرآن کے آداب اور تقاضے"، چٹان لاہور، ۳۰ جولائی ۱۹۷۳ء

۲۸۔ ''ٹیلی ویژن اور فلموں میں اسلامی تہذیب اور مذہب کی تضحیک بند کی جائے،
چٹان لاہور، ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۳ء

۲۹۔ ''میں حاضر ہوں جناب''، چٹان لاہور، ۲۳ جولائی ۱۹۷۳ء

۳۰۔ ''جامعہ محمدی کی تحریک''، چٹان لاہور، ۲۸ جنوری ۱۹۷۴ء

۳۱۔ ''فرقہ (تعلیقہ)''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۵، ص: ۳۰۴-۳۱۲ ۱۹۷۵ء

۳۲۔ ''فقہ''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۵، ص: ۳۹۵-۴۲۰ ۱۹۷۵ء

۳۳۔ ''فرمان''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۵، ص: ۳۱۲-۳۱۵، ۱۹۷۵ء

۳۴۔ ''سیاست''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد، ص: ۴۸۳-۴۸۷، ۱۹۷۵ء

۳۵۔ ''شبلی نعمانی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۱، ص: ۶۵۰-۶۵۴، ۱۹۷۵ء

۳۶۔ ''شہر آشوب''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۱، ص ۸۶۴-۸۲۶، ۱۹۷۵ء

۳۷۔ ''فن خطاطی''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۵، ص: ۹۵۶-۱۰۰۲ ۱۹۷۵ء

۳۸۔ ''الفواحش''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۵، ص: ۱۰۳۱-۱۰۳۶، ۱۹۷۵ء،

۳۹۔ ''ریشمی خطوط کی سازش، تاریخ جہاد آزادی کا ایک فراموش شدہ باب'' چٹان لاہور
۵ اپریل ۱۹۷۶ء

۴۰۔ ''مغرب کی بیسویں صدی، کجروی اور مسخ انسانیت کا دور''، چٹان، لاہور
۶ فروری ۱۹۷۸ء

۴۱۔ ''قانون (اساسی)''، (ایک حصہ) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۶/۱،
ص: ۶۶ و بعد، ۱۹۷۸ء

۴۲۔ ''قصہ (اردو) (تعلیقہ)'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۲۶/۲، ص:
۲۷۹_۱۹۷۸ء

۴۳۔ ''قصیدہ'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۲۶/۲، ص: ۲۸۵-۲۸۶، ۱۹۷۸ء

۴۴۔ ''قیومیہ''، (مجدد صاحب کی دعوت) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۲۶/۲
ص: ۵۹۰-۵۹۳، ۱۹۷۸ء

۴۵۔ ''کشف (تعلیقہ)'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۷، ص: ۲۸۰، ۱۹۷۸ء

۴۶۔ ''گل و گلزار (ادبی و تہذیبی اہمیت)''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۷،

ص:۵۵۲-۵۵۳، ۱۹۷۸ء

۴۷۔ ''ہماری جدیدیت، حدود اربعہ، مفہوم اور منزل''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ
۲ جولائی ۔۱۹۷۹ء

۴۸۔ ''سوانحی ادب''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۲۴/۱، ص:۱۷۳-۱۷۴، ۱۹۸۰ء

۴۹۔ ''علم (علوم حکمیہ)''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۳۲۷-۳۳۳، ۱۹۸۰ء

۵۰۔ ''علم بدائع و قائع''، (ایک حصہ) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱،
ص ۱۸۷-۲۸۸، ۱۹۸۰ء

۵۱۔ ''علم (سیرۃ) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۱۷۵-۱۸۵، ۱۹۸۰ء۔

۵۲۔ ''علم ا (عام (سوانحی ادب)''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱،
ص:۱۸۵-۱۸۷، ۱۹۸۰ء

۵۳۔ ''علم رجل (تعلیقہ)''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱،
ص:۳۱۹-۳۲۱، ۱۹۸۰ء

۵۴۔ ''علم معاشیات''، (اسلامی) (تعلیقہ) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱
ص ۴۷۶-۴۸۶، ۱۹۸۰ء

۵۵۔ ''علم الاخلاق''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۱۳۳-۱۳۴، ۱۹۸۰ء۔

۵۶۔ ''علم العقائد''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۴۳-۵۱، ۱۹۸۰ء۔

۵۷۔ ''علم تصوف''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۱۲۳-۱۳۳، ۱۹۸۰ء۔

۵۸۔ ''علم النفس'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۱۳۲-۱۴۳، ۱۹۸۰ء۔

۵۹۔ ''علم القرآن''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۴/۱، ص:۱-۲، ۱۹۸۰ء

۶۰۔ ''نظریہ ڈارون اور اس کی اصلاح''، البلاغ، کراچی، مارچ ۱۹۸۲ء

۶۱۔ ''مادیت (تعلیقہ)'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۸، ص:۲۹۲-۲۹۳، ۱۹۸۵ء۔

۶۲۔ ''المعلم و المعلم''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۸، ص ۴۶۶-۵۰۳، ۱۹۸۵ء۔

۶۳۔ ''اسلام اور ماڈرنزم''، فکر و نظر۔ اسلام آباد، جلد ۱۴

۶۴۔ ''سیرت نبویؐ کا پیغام عصر حاضر کے نام'' نقوش، لاہور، شمارہ ۱۳۰
(رسول نمبر جلد ۳)

۶۵۔ ''سیرت طیبہ حضورؐ کے اسماء والقاب کے آئینہ میں''، نقوش لاہور، شمارہ ۱۳۰ (رسولؐ نمبر جلد ۹) (بہ اشتراک عبدالقیوم)

''فارسی ادب اور متفرقات''

۱۔ ''تزکات تیموری''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، فروری ۱۹۲۶ء

۲۔ ''عہد محمد تغلق کے مصنفین''	ایضاً	مئی	۱۹۲۷ء
۳۔ ''مثنوی بیغم بیراگی''	ایضاً	نومبر	۱۹۲۷ء
۴۔ ''گرونانک کی فارسی تعلیم کہاں تک تھی''	ایضاً	مئی	۱۹۲۸ء
۵۔ ''چندر بھان برہمن''،	ایضاً	اگست	۱۹۲۸ء
۶۔ ''انشائی فارسی''،	ایضاً	مئی	۱۹۲۷ء
۷۔ ''آنندرام مخلص''	ایضاً	فروری	۱۹۲۹ء
۸۔ ''سیالکوٹی مل وارستہ''،	ایضاً	مئی	۱۹۲۹ء
۹۔ ''ہندوؤں کا فارسی لٹریچر''،	ایضاً	مئی	۱۹۳۰ء
—————	ایضاً	فروری	۱۹۳۱ء
—————	ایضاً	نومبر	۱۹۳۱ء
—————	ایضاً	فروری	۱۹۳۲ء
—————	ایضاً	مئی	۱۹۳۲ء
—————	ایضاً	اگست	۱۹۳۲ء
—————	ایضاً	فروری	۱۹۳۳ء
۱۰۔ ''عہد اکبری، ہندوؤں میں فارسی دانی کا آغاز''،	ایضاً	فروری	۱۹۳۰ء
۱۱۔ ''ہندوؤں کا فارسی لٹریچر از ۱۱۲۴ تا ۱۱۲۱''،	ایضاً	اگست	۱۹۳۰ء
—————	ایضاً	مئی	۱۹۳۱ء
۱۲۔ ''ہندوؤں کے فارسی لٹریچر پر ایک نظر باز گشت''،	ایضاً	مئی	۱۹۳۱ء
۱۳۔ ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت فارسی زبان کی حالت''	ایضاً	اگست	۱۹۳۱ء
۱۴۔ ''لطائف نامہ فخری''،	ایضاً	اگست	۱۹۳۱ء

۱۵۔ ''میر علی شیر کی بزم شعر و سخن''، ایضاً فروری ۱۹۳۵ء

۱۶۔ ''علی شیر کی ایک کتاب کا قلمی نسخہ یعنی مرغوب الفواد ترجمہ محبوب القلوب''، ایضاً اگست ۱۹۳۵ء

۱۷۔ ''میر شیر علی، حالات و تصانیف''، ایضاً، فروری ۱۹۳۵ء

———— ایضاً فروری ۱۹۳۵ء

———— ایضاً اگست ۱۹۴۰ء

۱۸۔ ''ادبیاتِ ایران در عصر حاضر''، ایضاً مئی ۱۹۳۷ء

۱۹۔ ''فارسی شاعری میں صداقت''، ایضاً مئی ۱۹۳۹ء

۲۰۔ ''غالب کے جدید تذکروں پر ایک نظر''، ایضاً اگست ۱۹۳۹ء

۲۱۔ ''فارسی شاعری میں اصلیت اور واقعیت''، ایضاً مئی ۱۹۳۹ء

۲۲۔ ''فارسی شاعری اور مسائلِ حیات''، ایضاً اگست ۱۹۴۰ء

۲۳۔ ''فارسی کی مثالیہ شاعری''، ایضاً نومبر ۱۹۴۰ء

۲۴۔ ''نظام الملک ثانی یعنی میر شیر علی ثانی''، ایضاً نومبر ۱۹۴۰ء

۲۵۔ ''فارسی شاعری میں گل و گلزار کی حقیقت''، ایضاً نومبر ۱۹۴۱ء

———— ایضاً، فروری ۱۹۴۲ء

۲۶۔ ''گل و من احمد سرادی اور اس کی زبان''، اورینٹل کالج میگزین (ضمیمہ) لاہور، نومبر ۱۹۴۱ء

———— ایضاً، اگست ۱۹۴۲ء

———— ایضاً، نومبر ۱۹۴۲ء

۲۷۔ ''ہندوستان کے چند انگریز محبان فارسی اور مصنفین''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، فروری ۱۹۴۳ء

۲۸۔ ''راجہ نریندر ناتھ کا ایک اور مکتوب''، ادبی دنیا، لاہور، مئی ۱۹۴۵ء

۲۹۔ ''تذکروں کی اہمیت تنقید کے نقطۂ نظر سے''، اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۸ء

۳۰۔ ''تذکروں میں تنقیدی عنصر'' ایضاً اگست ۱۹۴۸ء

———— ایضاً فروری ۱۹۴۹ء

۳۱۔ ''غرائب اللغات میر عبدالواسع ہانسوی''، ایضاً نومبر ۱۹۵۰ء

۳۲۔ ''محاکمات الشعراء (از میر محسن اکبر آبادی)'' ایضاً فروری ۱۹۵۱ء

۳۳۔ ''تذکرہ مردم دیدہ''، ایضاً فروری ۱۹۵۵ء

______________ ایضاً اگست ۱۹۵۵ء

______________ ایضاً نومبر ۱۹۵۵ء

______________ ایضاً اگست ۱۹۵۶ء

______________ ایضاً فروری، مئی ۱۹۵۸ء

۳۴۔ ''مثمر از خان آرزو (فارسی متن)''، ایضاً اگست ۱۹۶۱ء

۳۵۔ ''مرآۃ الاصطلاح (فارسی متن)''، ایضاً اگست ۱۹۶۱ء

______________ ایضاً نومبر ۱۹۶۲ء

۳۶۔ ''تضمین و تالیف کے فارسی خطوط (تصحیح متن فارسی باشرکت سید وزیر الحسن عابدی)

ایضاً فروری ۱۹۶۳ء

۳۷۔ ''فارسی کا ایک اور تذکرہ''، (مذکر الاصحاب از محمد بدیع بن محمد شریف سمرقندی)''

ایضاً مئی، اگست ۱۹۶۳ء

۳۸۔ ''بیدل اور غالب کا تصور آگاہی'' ایضاً مارچ، جون ۱۹۷۳ء

۳۹۔ ''امیر خسرو ایک مورخ'' آستانہ زکریہ، ملتان، ۱۹۵۸ء

۴۰۔ ''یک چمن گل (گلدستۂ انتخاب)'' مشمولہ: نذر رحمٰن،

مرتبہ: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، مطبوعہ 1996

۴۱۔ ''ظہوری ترشیزی (کتی)''، المعارف، لاہور، دسمبر ۱۹۷۱ء

۴۲۔ ''نظیری نیشاپوری''، ایضاً فروری ۱۹۷۳ء

۴۳۔ ''صائب، روشن دل شاعر''، ایضاً اپریل ۱۹۷۳ء

۴۴۔ ''ناصر علی سرہندی''، ایضاً ستمبر ۱۹۷۳ء

۴۵۔ ''ابن عرب اور رومی''، افکار، کراچی اپریل ۱۹۷۸ء

۴۶۔ ''غالب کا نارسیدہ کلام'' نقوش، لاہور شمارہ ۱۱۶ (غالب نمبر ۳)

۴۷۔ ''واردات سرمد'' ایضاً، شمارہ ۱۲

فہارس مخطوطات / مطبوعات / نوادرات

ا۔ ''خزائن مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری'' اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۲۶ء

________ ایضاً اگست ۱۹۲۶ء

________ ایضاً نومبر ۱۹۲۶ء

________ ایضاً فروری ۱۹۲۷ء

________ ایضاً مئی ۱۹۲۷ء

________ ایضاً نومبر ۱۹۲۷ء

________ ایضاً فروری ۱۹۲۸ء

________ ایضاً مئی ۱۹۲۸ء

________ ایضاً نومبر ۱۹۲۸ء

________ ایضاً اگست ۱۹۲۹ء

________ ایضاً فروری ۱۹۳۱ء

________ ایضاً مئی ۱۹۳۱ء

________ ایضاً اگست ۱۹۳۱ء

________ ایضاً نومبر ۱۹۳۱ء

________ ایضاً فروری ۱۹۳۲ء

________ ایضاً مئی ۱۹۳۲ء

________ ایضاً اگست ۱۹۳۲ء

________ ایضاً نومبر ۱۹۳۲ء

________ ایضاً فروری ۱۹۳۳ء

________ ایضاً نومبر ۱۹۳۳ء

________ ایضاً مئی ۱۹۳۴ء

________ ایضاً فروری ۱۹۳۵ء

________ ایضاً فروری ۱۹۳۵ء

______ ایضاً نومبر ۱۹۳۵ء

______ ایضاً اگست ۱۹۳۶ء

۲۔ ''ادارۂ معارف اسلامیہ کے افتتاحی اجلاس میں قلمیات و مسکوکات، کی ایک شاندار نمائش، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۳۳ء

۳۔ ''کتاب خانہ شیرانی کے نوادر''، ایضاً فروری ۱۹۴۷ء

۴۔ ''خط کی کہانی مخطوطات کی زبانی''، (مشمولہ نذر رحمٰن، مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ۱۹۶۶ء

۵۔ ''کتاب خانہ شیرانی کے نوادر''، افکار، کراچی، اکتوبر، ۱۹۸۰ء

''معجم مصادر اسلامی۔ ایک علمی منصوبہ''، فکر و نظر، اسلام آباد جلد ۱۳، خط سعید احمد فارانی کے نام'' از سید عبداللہ، مبوعہ: اُخبار اردو، اسلام آباد۔ جنوری ۱۹۸۷ء

۷۔ ''اپنے معالج سے'' مطبوعہ اُخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۸۔ ''بیماری کے دوران جوابات سید صاحب''،

مطبوعہ: اردو اخبار اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

تبصرے

۱۔ ''غالب (از غلام رسول مہر)'' مطبوعہ: اورینٹل کالج میگزین لاہور، نومبر ۱۹۳۶ء

۲۔ ''مجلّہ ثقافت، مطبوعہ: ثقافت، لاہور، اپریل ۱۹۵۵ء

۳۔ ''سرو چراغاں'' مطبوعہ: ادب لطیف، لاہور، جون ۱۹۵۸ء

۴۔ ''دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۵۹ء

۵۔ ''شعر و حکمت (از حکیم نیر واسطی) مطبوعہ: اورینٹل کالج میگزین لاہور، نومبر ۱۹۵۹ء

۶۔ ''آتش خنداں (ایک تیموری شہزادے کا کلام)'' 'ادب لطیف' ستمبر ۱۹۶۰ء

۷۔ ''شاعری اور تخیل' (از ھادی حسن) مطبوعہ: چٹان، لاہور، جون ۱۹۶۷ء

۸۔ ''میزان پر ایک نظر، مطبوعہ: فنون، لاہور، جنوری، فروری ۱۹۶۸ء

۹۔ ''ثنائے خواجہ (نعتیہ کلام از حافظ لدھیانوی) فنون، لاہور، جون، جولائی ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۹ء

۱۰۔ ''الخزائن: فہرست مفصل'' (از قاضی عبدالنبی کوکب) مطبوعہ: المعارف، لاہور، مارچ ۱۹۷۶ء

۱۱۔ ''جہانِ دانش'' (از احسان دانش) مطبوعہ: چٹان لاہور، ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۳ء

۱۲۔ ''داستان دار و رسن'' (از عبداللہ ملک) مطبوعہ: چٹان، لاہور، ۲۷ اگست ۱۹۷۳ء

۱۳۔ ''مسلم لیگ کا دورِ حکومت'' (از صفدر محمود) مطبوعہ: چٹان لاہور، ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء

۱۴۔ ''ایک فرد افروز کتاب (تاریخ اور کائنات، میرا نظریہ)'' تبصرہ، فنون، لاہور، دسمبر ۱۹۷۳ء

۱۵۔ ''کلام ثاقب سلمانی پر ایک نظر'' مطبوعہ: چٹان، لاہور، ۲۶ نومبر تا ۲ دسمبر ۱۹۷۳ء

۱۶۔ ''اختلافات'' (از انور سدید) مطبوعہ: 'اوراق'، لاہور، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء

۱۷۔ ''عکس'' (از امجد اسلام امجد) مطبوعہ: فنون، لاہور، مارچ، اپریل ۱۹۷۷ء

۱۸۔ ''اقبال کی شخصیت اور شاعری'' (از حمید احمد خان) مطبوعہ: صحیفہ، لاہور، نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء جنوری، فروری ۱۹۷۸ء (اقبال نمبر حصہ دوم)

۱۹۔ ''آشوبِ صدا'' (از اکبر حمیدی) مطبوعہ: ماہِ نو، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۸ء

۲۰۔ ''تیشۂ کرب'' (از مرتضیٰ برلاس) مطبوعہ: نیرنگ خیال، لاہور، گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۷۸ء

۲۱۔ ''محیط۔ ایک مطالعہ'' مطبوعہ: افکار، کراچی، مارچ ۱۹۷۸ء 'محیط' (از احمد ندیم قاسمی)

۲۲۔ ''جائزہ مخطوطات اردو'' (از مشفق خواجہ) مطبوعہ: چٹان، لاہور، ۲۳ جولائی

۲۳۔ ''اقبال کے کلاسیکی نقوش'' (از انور سدید) مطبوعہ: ماہِ نو، لاہور، دسمبر ۱۹۷۹ء

۲۴۔ ''مٹی کا دیا'' (از مرزا ادیب) مطبوعہ: چٹان، لاہور، دسمبر ۱۹۸۳ء

۲۵۔ ''تنقیدی دبستان'' (از سلیم اختر) مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ ۱۲۰

۲۶۔ ''حافظ لدھیانوی کے قطعات'' مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ ۱۲۹

۲۷۔ ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' (از سلیم اختر) مطبوعہ: 'نقوش' لاہور، شمارہ ۱۲۰

تحقیقی کام کی نگرانی: برائے ایم۔اے، پی ایچ۔ ڈی برائے ایم۔اے (اردو)

۱۔ ''اردو میں سوانح نگاری کا ارتقا، از الطاف فاطمہ، مقالہ برائے ایم اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۵۳ء

۲۔ ''سودا کی قصیدہ نگاری، از بشیر الدین احمد، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۵۴ء

۳۔ ''نذیر احمد بہ حیثیت انشاء پرداز از حبیب اختر، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۵۴ء

۴۔ ''ظفر علی خان، از غلام حسین ذوالفقار، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۵۵ء

۵۔ ''سرعبدالقادر، از اظہر محمد خان، مقالے برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۵۷ء

۶۔ ''شیخ محمد ابراہیم ذوق، از راحت افزا بخاری، مقالہ برائے ایم اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۰ء

۷۔ ''مکاتیب اقبال کا فکری وفنی پہلو، از منور اسلطانہ، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، غیر مطبوعہ ۱۹۶۰ء

۸۔ ''اردو آزاد نظم سرود نو سے استا نزے تک، انیس ناگی، مقالہ برائے ایم اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۶۱ء

۹۔ ''غزل کے اصول از نو شابہ اختر، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۰۔ ''میر کی امیجری' (دیوان چہارم تا ششم) از ممتاز عرشی، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۱۔ ''میر کی امیجری' (دیوان اول تا سوم کے حوالے سے) از در شہوار، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۲۔ ''میرا جی کی غیر غزلیہ شاعری'' از ثریا شاہین، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۳۔ ''میرا جی، شخصیت اور فن، از انوار انجم، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۳ء

۱۴۔ ''اردو شاعری میں خواتین کا حصہ، از ندرت شبنم چغتائی، مقالہ برائے ایم اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۳ء

۱۵۔ ''اقبال اور مناظر فطرت، از زرینہ احمد علی، مقالہ ایم اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۶۔ ''ولی کی غزل، از ریحانہ ناصر، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۷۔ ''تجلی، حالات، کلام، انتخاب، از سید افسر حسین رضوی، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۵ء

۱۸۔ ''حافظ محمود شیرانی، از سجاد ملک بجوکہ، مقالے برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۶۵ء

۱۹۔ ''نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، از صفیہ عبدالحق، مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، (س،ن)

برائے پی ایچ ۔ڈی (اردو)

مطبوعہ خطوطہ بنام ڈاکٹر سیّد عبداللہ

۱۔ ''ایک خط'' (از سیّد سلیمان ندوی) مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء، (مکاتیب نمبر، جلد اول)

۲۔ ''۳ خطوط'' (از اختر شیرانی) مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء (مکاتیب نمبر جلد دوم)

۳۔ ''۸ خطوط'' (از عبدالسلام ندوی) مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء

(مکاتیب نمبر جلد دوم)

۴۔ ''ایک خط'' (از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی)، مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء (مکاتیب نمبر جلد دوم)

۵۔ ''ایک خط'' (از ڈاکٹر عابد حسین)، مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء (مکاتیب نمبر جلد دوم)

۶۔ ''ایک خط'' (از سید مسعود حسن رضوی) مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء (مکاتیب نمبر جلد دوم)

۷۔ ''ایک خط'' (از شیخ محمد اکرام)، مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء (مکاتیب نمبر جلد دوم)

۸۔ ''۶ خطوط'' (از محمود شیرانی)، مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ: ۶۵-۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء (مکاتیب نمبر جلد دوم)

ایضاً۔ مطبوعہ: مجلّہ تحقیق، لاہور، شمارہ: ۲-۳ دسمبر ۱۹۸۰ء، مارچ ۱۹۸۱ء

ایضاً۔ مطبوعہ: مکاتیب حافظ محمود شیرانی، (مرتبہ: مظہر محمود شیرانی)، لاہور مجلس یادگار حافظ محمود شیرانی، ۱۹۸۱ء

۹۔ ''ایک خط'' (از ڈاکٹر ذاکر حسین) مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ: ۱۰۹، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء (خطوط نمبر جلد سوم)

۱۰۔ ''ایک خط'' (از ڈاکٹر عابد حسین)، مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ ۱۰۹، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء (خطوط نمبر جلد سوم)

۱۱۔ ''۴۸ خطوط'' (از مولانا عبدالحق)، مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ ۱۰۹، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء (خطوط نمبر جلد دوم)

۱۲۔ ''چار خطوط'' (از سید سلیمان ندوی)' مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ ۱۰۹، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء، (خطوط نمبر جلد دوم)

۱۳۔ ''ایک عکسی خط'' (از اختر شیرانی)، مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ ۱۰۹، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء (خطوط نمبر جلد اول)

۱۴۔ ''ایک عکسی خط'' (از سید سلیمان ندوی)' مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ ۱۰۹، اپریل، مئی

۱۹۶۸ء (خطوط نمبر جلد اول)

۱۵۔ ''۸ خطوط'' (از امتیاز علی عرشی) مطبوعہ: اردو نامہ، کراچی، شمارہ: ۴۴–۴۵، مارچ ۱۹۷۳ء

۱۶۔ ''۱۴ خطوط'' (از عبدالستار صدیقی)، ایضاً، شمارہ: ۴۴–۴۵، مارچ ۱۹۷۳ء

۱۷۔ ''ایک خط'' (از حامد علی خاں) مطبوعہ: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، کی ۲۵ سالہ روداد کارکردگی، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۰ء

اعزازات

اکٹر سید عبداللہ کی حیثیت قومی و ملی سطح کی تھی اگر چہ انہوں نے اورینٹل کالج میں بھی ایک بھرپور اور
ہ و ادبی سطح پر مصروف وقت گزارا، تاہم ان کی زندگی کے وہ بیس سال جو اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی
ارت میں گزرے (۱۹۶۶ تا ۱۹۸۶ء) ان کی حیات کے بہترین اور کامیاب ترین دور کی حیثیت
تے ہیں۔ در حقیقت اسی زمانے میں وہ ایک صوبائی سطح کی حیثیت سے ترقی کر کے ایک قومی اور ملی سطح
پہنچے اور ان کی عزت و عظمت میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ یہ دور سید صاحب کے لیے عروج و اقبال کا حقیقی
تھا، جس میں ان کی ذات سے ملی سطح پر استفادہ کیا گیا۔ اس عرصے میں انہیں ہر سطح پر سراہا گیا اور ان
سنجیدہ کاوشوں کا اعتراف کیا گیا۔ اس دور کے نمایاں اعزازات کا ذکر ضروری ہے:

پریس کمیٹی کی رکنیت

سید صاحب مرحوم کو مارچ ۱۹۶۷ء میں جامعہ پنجاب کی پریس کمیٹی کی رکن نامزد کیا گیا۔

پروفیسر ایمریطس

سید صاحب کی اردو زبان و ادب کے لئے عظیم خدمات کے پیش نظر "شعبۂ اردو" کی طرف سے
پروفیسر ایمریطس" کا اعزاز دیا گیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ بعد میں ہمیشہ اپنے ذاتی لیٹر پیڈ پر اپنے اس
زاز کا ذکر کیا کرتے تھے۔

جامعہ پنجاب کی سینٹ کی رکنیت

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے اسی اعزاز (پروفیسر ایمریطس) کی بنا پر اسی تاریخ سے جامعہ کی سینٹ

کے رکن بھی نامزد ہوئے۔ وہ اپنی وفات تک سینٹ کے اجلاسوں میں باقاعدگی کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔

کتبہ مزار قائد اعظم کا اردو ترجمہ

وزارت تعلیم نے کتبہ مزار قائداعظم کے اردو ترجمہ کے لیے سید صاحب کا انتخاب کیا۔ سید صاحب نے یکم مارچ ۱۹۸۱ء کو اس کا موزوں ترجمہ مکمل کر کے وزارت تعلیم کو ارسال کیا جس کے بعد اسے مزار قائد پر کتابت کروایا گیا۔

مجلس استناد اردو کی رکنیت

۱۹۷۳ء میں نئے آئین کے مطابق اردو زبان کو دفتری زبان بنانے کے کام کا آغاز ہوا، اس ضمن میں حکومت پنجاب نے مختلف ترجمہ کرنے والی کمیٹیاں بنائیں، ان کا ترجمہ مجلس استناد میں پیش ہو کر حتمی منظوری حاصل کرتا تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کو اس کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی بنیادی رکنیت

۱۹۷۸ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کی ادبی سرگرمیوں کو منظم و مربوط کرنے کے لیے ایک ادارہ "اکادمی ادبیات پاکستان" قائم کیا، سید صاحب اس کے بنیادی رکن نامزد کیے گئے۔ وہ اپنی وفات تک اس ادارے کے ساتھ تعاون و مشاورت کرتے رہے۔

قومی ریویو کمیٹی برائے نصابی کتب کی صدارت

ڈاکٹر سید عبداللہ کے لیے قومی سطح پر سب سے نمایاں اعزاز یہ ہے کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو پاکستان بھر میں پڑھی پڑھائی جانے والی نصابی کتب کی نظر ثانی کے لیے ایک سہ رکنی کمیٹی بنائی۔ سید صاحب اس کے کنوینر و صدر منتخب ہوئے۔ سید صاحب نے تقریباً سال بھر میں پورے پاکستان میں رائج نصابی کتب پر نظر ثانی کا کام مکمل کر لیا جس سے انہوں نے اہم خدمت انجام دی۔

اقبال اکیڈمی کی رکنیت

اسی زمانے میں علامہ اقبال پر تحقیق و تعلیم کا کام کرنے کے لیے اقبال اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس کے بھی بنیادی رکن نامزد ہوئے اور اپنی وفات تک اس کے امور میں دلچسپی لیتے رہے۔

سیرۃ النبیؐ نصاب کمیٹی کی صدارت

۸ مارچ ۱۹۸۹ء کو گورنر پنجاب نے سیرۃ النبی کے مروجہ نصاب کا جائزہ لینے اور سفارشات مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ سید صاحب کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے بورڈ آف گورنرز کی رکنیت

اسلام آباد میں اسلامی موضوعات پر اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ ٹھوس اور مفید کام انجام دے رہا ہے۔ ۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو صدر پاکستان نے سید صاحب کو اس کے بورڈ آف گورنرز کا رکن نامزد کیا، جس پر سید صاحب نے وزارت مذہبی امور اور صدر پاکستان دونوں کا تحریری شکریہ ادا کیا۔

مقتدرہ قومی زبان کی رکنیت

صدر پاکستان نے پاکستان میں نفاذ اردو کی کوششوں کو سرکاری طور پر مربوط و منظم کرنے کے لئے ایک وسیع اختیارات کا حامل ادارہ ''مقتدرہ قومی زبان'' قائم کیا۔ سید عبداللہ کو صدر پاکستان نے اس کا بھی بنیادی رکن نامزد کیا۔

مقتدرہ قومی زبان کے رکن کی حیثیت میں سید عبداللہ اس کے مختلف اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے۔

مقتدرہ قومی زبان کی زبان دفتری کی صدارت

مقتدرہ قومی زبان نے اپنی ایک ذیلی کمیٹی ''مجلس زبان دفتری'' قائم کی اور ڈاکٹر سید عبداللہ اس کے کنوینر مقرر ہوئے۔

مرکزی اردو بورڈ کی رکنیت

۱۹۸۱ء ہی میں سید عبداللہ کو صدر پاکستان نے مرکزی اردو بورڈ کے بورڈ آف گورنرز کا رکن نامزد کیا۔ چنانچہ سید صاحب مرکزی اردو بورڈ کے تمام کلاسوں میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔

نفاذ اردو کے سلسلے میں اعلیٰ سطح کے اجلاسوں میں قوم کی نمائندگی

نفاذ اردو کے سلسلے میں سید صاحب نے متعدد بار اعلیٰ سطح کے اجلاسوں میں وزراء کے ساتھ قوم کی نمائندگی کی۔

ماہر علوم مشرقیات کے طور پر نامزدگی

سید صاحب کو جامعہ پنجاب نے ۴ جنوری ۱۹۸۳ء کو ''ماہر علوم مشرقیادت'' نامزد کیا اور جامعہ پنجاب کی ''مشرقی مطبوعات فنڈ کمیٹی'' کو ان کی رائے اور ماہرانہ مشورے کا پابند کیا گیا۔

اعلیٰ کارکردگی پر ہلال پاکستان

۱۴ اگست ۱۹۸۵ء کو سید صاحب، صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے اعلیٰ قومی اعزاز ''ہلال پاکستان'' دیا گیا۔ اس سے پہلے سید عبداللہ کو صدر پاکستان محمد ایوب خان کی جانب سے ۱۹۶۰ء میں ''نمایاں کارکردگی اعزاز'' (Pride of Performance) مل چکا تھا۔ یہ اعزاز ان کی خدمات کے قومی اعتراف کی حیثیت رکھتا ہے۔

مقتدرہ قومی زبان صوبہ پنجاب کی کنوینر شپ

ڈاکٹر وحید قریشی نے ''مقتدرہ قومی زبان'' کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس میں بڑی وسعت پیدا کی اور اسے ایک صوبائی ادارے کے بجائے ایک قومی ادارہ بنا دیا۔ اس ضمن میں انہوں نے ۱۹۸۵ء میں ملک کے چاروں صوبوں میں اس کی صوبائی شاخیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ صوبہ پنجاب کی لاہور شاخ کا سید عبداللہ کو کنوینر تعینات کیا گیا۔

علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر سید عبداللہ کی علمی وادبی خدمات کی تفصیل خاصی طویل ہے۔ وہ اپنے استاد گرامی مولانا محمد شفیع کی رفاقت میں اور پھر ان کی سبکدوشی کے بعد علوم شرقیہ کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ انہیں ایک ایسے معاشرے کا سامنا تھا جہاں علوم شرقیہ کی ترقی اور ترویج تو کجا بقاء کے مسائل درپیش تھے، ایسے میں انہوں نے ہمت اور حوصلے کے ساتھ مشرقی علوم کا تحفظ کیا اور ان مضامین کو عزت دلانے میں ہمہ تن مصروف عمل رہے۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۶۵ء تک وہ اورینٹل کالج سے وابستہ رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ اس خدمت میں گزارا۔ اپنے زمانہ تدریس میں انہوں نے اورینٹل کالج کی کایا پلیٹ ڈالی۔ اس وقت اورینٹل کالج پر بےخبری وقت آپڑا تھا، صاحب اقتدار حضرات اسے بند کرانے کی تجاویز پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں تحمل، تدبر، برداشت اور حکمت عملی کی ضرورت تھی اسے سید عبداللہ نے اپنائے رکھا۔ اپنے ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر ترجیح دی اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ صرف اس کالج کو استحکام نصیب ہوا بلکہ یہ ایک مثالی درسگاہ ثابت ہوئی۔

آج کے دور میں ادیب کے سامنے بہت سے مسائل ہیں۔ اور ان مسائل کی فراوانی کی وجہ سے ادب نے اپنا توازن کھو دیا ہے۔ ہنگامی تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے اور سستی شہرت سے متاثر ادیب شاعر اپنے اصل منصب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس طرح ادب اپنے محور اور مقصد اعلیٰ ہٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ادبی تنقید وتخلیق مخصوص نظریات میں جکڑی ہوئی ہے جس کا نتیجہ یہ کہ ناقدین وہ نکات اور موشگافیاں پیش کرتے ہیں جو خالق کے تصور میں واضح نہیں ہوتا اور خود خالق بھی کسی محور کے بغیر محض خانہ پری کے لیے تخلیقی عمل سے گزرتا ہے۔ اگر منظر غائر دیکھا جائے تو دنیا میں ذہانت سوچ وتفکر کا عنصر ادب اور فلسفہ کی پیداوار ہے۔ اور جب تخلیق کار خود ہی تفکر سے محروم ہو جائے تو وہ دوسروں کو اس کا راستہ کیونکر دکھا سکتا ہے۔ ایسے حالات میں ڈاکٹر سید عبداللہ جیسے جید نقاد و عالم کی ضرورت اور کی اور بھی محسوس ہوتی ہے۔ انہیں تعلیم عام کرنے کے لیے جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان کا شمار ممکن نہیں انہوں

نے یونی ورسٹی کے کئی شعبوں میں مفت خدمت انجام دی۔ کئی اداروں کی بنیاد رکھی۔ اردو انسائیکلو پیڈیا اسلام کی ابتدائی تنظیم دی اور اردو اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ اردو کالج کھولا۔ اردو تدریس کانفرنس کا آغاز کیا۔ اردو میں اصطلاحات کی پہلی ڈکشنری مرتب کرا کر ارباب اقتدار کے سامنے پیش کی۔

ان کی علمی حیثیت بنیادی طور پر ایک استاد کی تھی۔ تدریسی فرائض ان کے لیے فرض منصبی ہی نہیں بلکہ مقصد حیات تھے۔ جو انداز مجالس میں ہوتا وہی تدریس میں بھی اپناتے تھے۔ بات سے بات پیدا کرنا، لطائف دلچسپ واقعات اور فارسی، عربی اردو کے اشعار سے ماحول کو پر لطف بنا لیتے تھے اس طرح طلبہ ہمہ وقت ان کی طرف متوجہ رہتے۔ اپنے شاگردوں پر خاص طور پر مہربان تھے۔ ان کو علمی وادبی کاموں میں مصروف عمل ہونے کی ترغیب دینا، ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے علاوہ خود ایسے مواقع فراہم کرتے کہ انہیں کام کی تحریک ملے۔ مثلاً کسی کو ادق لفظ کے معنی کی تلاش کرنے پر مامور کر دیتے پھر اس کی تحقیقی صلاحیت کی ستائش کرتے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اچھے اساتذہ ہی معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لا سکتے ہیں اور ان کے وجود سے جہالت کی سیاہی مٹ سکے گی۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

> ''ایک اچھے استاد کی ذات میں ایسی تجلیاں ضرور ہوتی ہیں جن کے انعکاس سے وہ اپنے معاشرے کو پوری طرح منور کر سکتا ہے۔ ایسی ہستیوں کے پرتو سے ظلمتیں نور میں اور کدورتیں محبتوں میں بدل سکتی ہیں۔'' (۱۹)

یونیورسٹی سے ان کی وابستگی کا زمانہ لگ بھگ چالیس سال رہا۔ اس دوران میں انہوں نے تحقیقی کام کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو کی ایم۔ اے کلاسوں کو پڑھایا اور ان کے تحقیقی کاموں کی نگرانی کی۔ اس پوری مدت میں انہوں نے کوئی رخصت نہیں لی۔ وہ ہر دلعزیز استاد، لگن، محنت اور شفقت کا پیکر تھے۔ بلاشبہ ان کے دور سے ہی تعلیم کی مادی افادیت پر زور بڑھتا جا رہا ہے لیکن ایسے حالات میں انہوں نے تعلیمی پیشہ کے تقدس کو بحال کیا۔ ایک اچھے استاد کی بڑی اہم نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی شخصیت پر اثر انداز ہو کیونکہ طلباء کو محض نصاب پڑھانا مقصود نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ان کی اخلاقی تربیت، ادب آداب تہذیبی رکھ رکھاؤ اور اپنی عمدہ اقدار کی ان تک منتقلی بھی استاد کے فرائض میں شامل ہے۔ مگر اس کے لیے طالب علم سے زیادہ استاد کو ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ سید عبداللہ کا شمار ایسے ہی اساتذہ میں کیا جاتا ہے۔ ان کے شاگرد رشید ڈاکٹر ممتاز منگلوری ان کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''استاد محترم کی شخصیت کا اثر اورینٹل کالج کے فارغ التحصیل طلباء پر نمایاں نظر آتا ہے۔ یہاں سے جانے والے طلباء صرف ڈگریاں ہی لے کر نہیں جاتے

بلکہ استاد محترم کی عظیم شخصیت سے درویشی، قناعت صبر، نظم وضبط، خلق اور دردمندی کی صفات کا بھی گہرا اثر ساتھ لے جاتے ہیں۔'' (۴۰)

ان کا لیکچر منظم ومرتب (Planned) ہوتا تھا۔ آغاز، عروج اور خاتمہ ادب کے متعلق ان کا ذہن صاف اور تیار رہتا۔ سلسلۂ گفتگو کچھ اس طرح شروع کرتے کہ عزیزان من! آج ہم فلاں موضوع پر بحث کریں گے پھر دھیمے انداز میں تنقید، جرح دلیل، حوالوں کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے موضوع کے ہر پہلو کو زیر بحث لے آتے۔

اردو زبان سے ان کی محبت اور شیفتگی حد درجہ تھی۔ اردو کی حیثیت منوانے اور اسے اس کا حقیقی مقام دلانے کے لیے انہیں کئی دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا۔ ان مشکل راہوں کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب ''پاکستان میں اردو کا مسئلہ'' (۱۹۷۶) میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ یہ کتاب قائداعظم کے نام معنون ہے۔ سید عبداللہ نے محسوس کیا کہ اردو سے محبت کا جذبہ تو موجود ہے مگر اس کے لیے عملی کوششوں کو منظم کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ انہوں نے کم وسائل میں کئی ادبی انجمنوں کی بنیاد رکھی اور اردو کے لیے ایک باقاعدہ تحریک کا آغاز کیا۔ اس مسئلہ پر لگن اور محنت کا درس انہوں نے مولوی عبدالحق سے پایا۔ کراچی میں ''اردو کالج'' کا قیام ڈاکٹر سید عبداللہ کی اردو تحریک کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مولوی عبدالحق کی وفات کے بعد انہوں نے غریب کارکنوں کی مدد سے پرجوش تحریک چلائی اور لاہور میں انجمن ترقی اردو کا دفتر کھولا۔ ظاہری بات ہے ان کی اس تحریک کے مخالفین کی کمی نہ تھی، ان میں دفتر شاہی، امرا اور ماہرین تعلیم سب ہی شامل تھے۔ ایسی صورت حال میں انہوں نے محسوس کیا کہ کم از کم تعلیمی شعبہ میں ڈٹ کر اس مخالف کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ بنیادی طور پر یہ ان کا اپنا شعبہ تھا۔ احمد ندیم قاسمی اس وقت مدیر اخبار اردو تھے ان کے تعاون سے سید عبداللہ نے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جس میں اردو کے خلاف اٹھائے گئے اعتراضات کے مدلل جواب دئے جاتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں سید عبداللہ اورینٹل کالج پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں میاں محمد افضل حسین پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ انہیں اردو اور علوم شرقیہ سے چڑ سی تھی حتیٰ کہ وہ اورینٹل کالج کے حق میں بھی نہ تھے۔ ایسی گھمبیر صورتحال کا سامنا سید عبداللہ نے ڈٹ کر کیا بلکہ ۱۹۵۷ء میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس کی صدارت فیض احمد فیض نے کی۔ ۱۹۵۶ء میں بھی بین الاقوامی اورینٹل کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کے صدر جسٹس ایس۔ اے رحمان اور معتمد عمومی سید عبداللہ تھے۔ ان کانفرنسوں میں جو خطبات پڑھے گئے ان میں سے اکثر ان کے مضامین کے مجموعہ ''خطبات تعلیمی'' (۱۹۶۶) میں موجود

ہیں۔ان خطبات میں انگریزی کے غلبے کے نقصانات اور اردو کا ہماری تہذیب وروایت سے گہرا تعلق اور عظیم علمی سرمائے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے سیّد عبداللہ کا یہ مجموعہ مضامین رُوداد تاریخ کا حصہ بن گیا۔اس ضمن میں عطیہ سیّد لکھتی ہیں:

''اردو انجمنوں کی پہلی کانفرنس ۱۶ اپریل ۱۹۶۶ء کو لاہور میں منعقد ہوئی۔اس میں لاہور کے علاوہ لائل پور (فیصل آباد) سرگودھا، بہاولپور، ہزارہ، گجرات، لالہ موسیٰ، پھالیہ، خانیوال، ملتان، لیہ، رحیم یار خان، کراچی، راولپنڈی اور پشاور کی انجمنوں یوتھ موومنٹ کے عہدیداروں اور حلقہ ارباب ذوق لاہور کے اراکین نے شرکت کی۔ دوسری کانفرنس ۱۷ اور ۱۸ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ہوئی۔اس میں ادیبوں، اساتذہ اور سائنسدانوں نے شرکت کی۔(اس مجموعہ میں) ان کانفرنسوں میں پاس ہونے والی قراردادوں، خطبات اور تقریروں کی تفصیلات بھی درج ہیں۔''(۲۱)

اس طرح انہوں نے اردو کے حق میں آواز اٹھانے والوں کے جذبے کی قدر کرتے ہوئے انہیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر لیا۔ ان کوششوں کے نتائج بھی سامنے آئے۔ سیّد عبداللہ کی اردو تحریک کی بدولت مارشل لاء کے سخت دور میں اردو زبان بارہویں جماعت تک لازمی قرار پائی۔آزاد کشمیر حکومت نے بھی ۱۹۶۷ء کے اوائل میں ہی اردو کو سرکاری اور دفتری زبان کی حیثیت دی۔ دیگر علاقوں میں صاحب اقتدار اردو میں خطاب کرنے لگے سڑکوں کے نام انگریزی کی بجائے اردو میں لکھے جانے لگے اور تجارتی اشتہارات میں بھی اردو زبان کا استعمال عام ہونے لگا۔اس میں شک نہیں کہ ہر تحریک چاہے وہ چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑی سطح پر اپنے مقصد سے لگن، صداقت اور سچائی کے باعث رنگ ضرور لاتی ہے۔اردو کی ضرورت وحیثیت کے بارے میں سیّد عبداللہ لکھتے ہیں:

''میرا اپنا تصور تو یہ ہے کہ اگر اردو پاکستان کی کسی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور لوگ اس سے کام لینے پر کسی سطح پر مجبور ہیں تو اسے پاکستان سے نکالا نہیں جاسکتا نہ اس کی حیثیت گھٹائی جاسکتی ہے۔''(۲۲)

ایک اور جگہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ اردو زبان کے لیے عام معاشرتی رویوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''افسوس یہ کہ ہمارے ہاں نقالی زیادہ ہے اور حسن استفادہ کم ہے اور بعض جگہ تو

نری حماقت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً دیسی زبان میں اچھے بھلے الفاظ موجود ہوتے
ہوئے بعض مائیں اپنے بچوں کو باپ کا انگریزی تصور دلاتی ہیں چنانچہ وہ معصوم
ناکردہ گناہ ڈیڈی کرتے پھرتے ہیں۔۔۔ یہ سب نقالی اور ذہنی مغالطہ ہے،
فریب نفس ہے، فکری افلاس ہے، بربادی ہے اور بربادی ہی بربادی
ہے۔'' (۲۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ اسلامی روایت، فکروذہن اور دینی قلب ومزاج رکھتے تھے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے ساتھ ان کا قلبی لگاؤ پہلے دن ہی سے تھا لیکن عملی طور پر انہیں کام کرنے کا موقع اس وقت ملا جب وہ اورینٹل کالج سے استعفیٰ دے کر الگ ہوگئے اور انہیں دائرہ معارف اسلامیہ کی صدارت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ چنانچہ نومبر ۱۹۶۶ء سے اگست ۱۹۸۶ء اپنی بیماری اور وفات تک وہ اس ادارے ور منصب سے وابستہ رہے۔

یہ بیس سال علمی وادبی لحاظ سے نہایت بارآور ثابت ہوئے۔ اردو معارف اسلامیہ کے مسودات کی تیاری، تراجم وتصحیحات کا بیشتر کام ان کی صدارت سنبھالنے سے پہلے ہو چکا تھا مگر طباعت کی رفتار تسلی بخش نہ تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے سُست رفتاری کے اسباب کا پتہ چلایا اور اس کا سدباب کیا۔ نہوں نے دیکھا کہ انگریزی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لیڈن) میں اسلامی تصورات یا تو موجود نہیں اور گر ہیں تو واضح نہیں، چنانچہ انہوں نے اسلامی تصورات سے متعلق مقالات میں اضافہ وترامیم کیں اور نہیں مسلمانوں کے مذاق ومزاج اور تاریخی وتہذیبی سانچے میں ڈھالا۔ دائرہ معارف اسلامیہ کے تکنیکی وفنی امور کی طرف بھی توجہ دیتے ہوئے معمولات کی مکمل فہرست تیار کی۔ املاء کے طریقوں میں یکسانیت پیدا کی۔ ہجی ترتیب پر از سرنو غور کیا۔ سید صاحب کے زمانہ صدارت میں اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی کل ۱۷ جلدیں شائع ہوئیں۔ آخری جلدوں پر کام باقی تھا کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس کی تکمیل سے پہلے ہی سید صاحب انتقال کر گئے۔

ان کے زمانہ صدارت میں دائرہ معارف اسلامیہ کو ایک معتبر حیثیت حاصل ہوئی اور مختلف ارباب علم وفن نے اسے بے حد سراہا۔ اس ضمن میں سندھ کے مشہور محقق پیر حسام الدین راشدی لکھتے ہیں:

''دائرۃ المعارف پہنچ رہا ہے، دیکھ کر اس سے استفادہ کر کے آپ کے
لئے دل سے دعائیں نکلتی رہتی ہیں۔ پاکستان کے ۲۷ سالہ عرصے میں فقط
یہی ایک کام سنجیدہ، پاکیزہ، دائمی رہنے والا اور علمی طور پر ہم سب کو زندہ

رکھنے والا ہوا ہے۔" (۴۴)

اردو سے بے پناہ لگاؤ علوم شرقیہ سے گہری وابستگی نے انہیں ایک تہذیب کا اہم نمائندہ بنا دیا تھا۔ اور اس اہم ذمہ داری کو نبھانا جانتے تھے۔ سماجی اور ادبی سطح پر اردو زبان کی ترویج کے لیے جو کچھ انہوں نے کیا وہ ہمیشہ ادبی تاریخ کا سنہرا باب رہے گا۔ ان کے بارے میں نورالحسن ہاشمی کی یہ رائے قابل قدر ہے کہ:

> "اگر مولوی عبدالحق کے نزدیک ایمان کے بعد سب سے پیاری شے اردو ہے تو ان کے نزدیک اردو ہی ایمان کی ضامن ہے" (۴۵)

تصانیف کا مختصر تجزیہ

ڈاکٹر سید عبداللہ نے علمی وادبی موضوعات کے علاوہ خالصتاً سماجیات، سیاسیات، تاریخ، اسلامیات، پاکستانیت، کلچر کے مسائل، قومی زبان اردو کی حیثیت واہمیت پر کئی کتابیں اور بے شمار تحقیقی وتنقیدی مقالات لکھے۔ ان کا موضوع محض ادب نہ تھا بلکہ وہ سارے دھارے جو سمٹ کر ادب کی بنیاد بنتے ہیں ان کی نظر میں تھے۔ اس طرح ان کا ادبی مقام ومرتبہ اپنی جگہ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سماجی محاذ پر ان کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اردو تحقیق وتنقید میں وہ اپنے منفرد زاویۂ نظر اور مدلل ومتوازن قوتِ فیصلہ کی وجہ سے ہمیشہ صف اول کے لکھنے والوں میں شمار ہوتے رہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ ماضی کی اقدار وروایات کے امین تھے۔ ان کا رشتہ کلاسیکی اقدار سے گہرا تھا۔ عربی اور فارسی ادبیات سے لگاؤ، مسلم تہذیب وتمدن اور تحریکات سے براہ راست تعلق نے انھیں ذہنی اور جذباتی طور پر ماضی کی عظیم روایت سے قریب تر کر دیا تھا۔ اردو میں ایسے ناقدین کم ہی نظر آئیں گے جن کے نقد ونظر پر اپنی علمی وادبی روایت کے ساتھ ساتھ مغربی ادبیات سے گہری واقفیت بھی شامل ہو۔ وہ ایک وسیع المطالعہ اور متوازن مزاج شخص تھے مشرق ومغرب کی ادبیات کے مطالعے میں انھوں نے عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کیا۔ اس کے باوجود یہ کہنے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ مشرقی اقدار، ادبیات اور روایات کے لئے وہ ہر وقت سینہ سپر دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی ہر تحریر میں مشرقیت کا پرچار کرتے ہیں۔ اسی بناء پر ڈاکٹر انور سدید انھیں کلاسیکی نقاد کا درجہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان کی تنقید کا مزاج کلاسیکی ہے اور اس میں اسلام اور پاکستانیت روح کی طرح موجود ہیں۔۔۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے تنقید کو تہذیبی وضعداری عطا کی اور اس سے مطلع ادب کو روشن کرنے کا کام لیا۔'' (۲۶)

سید عبداللہ دیگر ناقدین کی طرح مغرب سے بے جا طور پر نہ تو متاثر تھے اور نہ مرعوب۔ جہاں ضرورت محسوس ہو وہ مغربی ادب کا حوالہ ضرور دیتے مگر اپنی رائے کا اظہار اعتماد سے کرتے تھے۔ اس

طرح ان کی تنقید روشن راستوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ اُلجھی ہوئی گنجلک اور ناہموار تحریر کی بجائے صاف، روشن اور واضح خیالات کو وسیلۂ اظہار بناتے تھے۔ چونکہ وہ خود بھی ایک معلم تھے اس لئے ان کا انداز تشریحانہ ہے، یعنی وہ جو بات کہنا چاہتے پہلے اسے اپنے دل و دماغ میں اتارتے پھر بات کو کھول کر سیاق و سباق کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ اس طرح ان کے موضوعات اور انداز نظر پر معلمانہ ضروریات کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

ان کے تدریسی دور میں جامعہ پنجاب کے مشرقی علوم و ادبیات کے سلسلہ کا کوئی منصوبہ ایسا نظر نہیں آتا جس میں انھوں نے بنیادی کردار ادا نہ کیا ہو۔ انھوں نے ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند'' کے منصوبے کی تیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فارسی اور اردو کے ابواب کے علاوہ دین، تصوف اخلاق، علوم فنون کی تاریخ و تجزیہ لسانیات، لغات پر ان کے لکھے گئے مقالات کی مستقل حیثیت ہے۔ اردو ادب کے ضمن میں میر تقی میر اور اقبال پر ان کے مقالات اس عظیم تالیف کا حصہ ہے۔

''اردو ادب ۱۸۵۷ تا ۱۹۶۶ء'' ایک ایسی مستقل حیثیت کی تنقیدی و تاریخی کتاب ہے، یہ کتاب مکتبہ خیابان لاہور نے ۱۹۶۷ میں شائع کی اور پھر دہلی سے ''اردو ادب کی ایک صدی'' کے نام سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں سیّد عبداللہ نے ۱۸۵۷ء سے جنگ عظیم اوّل تک کے دور کو پس منظر کے طور پر پیش کر کے سرسیّد تحریک کا پیش منظر واضح کیا ہے۔ پھر جنگ عظیم اوّل کے بعد ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۶ء تک کے دور میں مذہب، علم الکلام، سیاست اور تاریخ کو پرکھتے ہوئے ادب اور بالخصوص اردو زبان کی تاریخ و ادب تک پہنچے ہیں۔ پھر ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۶ء تک کے ادب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان میں شاعری، ڈراما، طنز و ظرافت، ناول افسانہ نظم، آزاد نظم، تاریخ، سوانح، دینی ادب غرض ادب کے ہر پہلو اور ہر صنف کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کتاب کا لکھنا خود سیّد عبداللہ کے لئے آسان کام نہ تھا، وہ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''اپنے زمانے کے ادب کے بارے میں کچھ لکھنا معمولی کام نہیں، خوف اور لحاظ کے پھیلے ہوئے سلسلے قدم قدم پر دامن گیر اور عناں گیر ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ میں اس کتاب میں اکثر آنکھیں بند کر کے بڑھا ہوں، ہر موڑ پر کسی نہ کسی دوست کی شبیہ نظر آئی تو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔''

بندھی مٹھی چلا جا اس چمن میں
زبان رکھ غنچہ ساں اپنے دہن میں (۲۷)

''اردو ادب جنگ عظیم کے بعد''، مباحث''، ''بحث و نظر'' اور'' اشارات تنقید''، تحقیق و تنقید پر مبنی ایسی کتب ہیں جو ڈاکٹر سیّد عبداللہ کو اردو ناقدین میں اہم مقام دلاتی ہیں۔

''مباحث'' ان کی اہم ترین تنقیدی کتاب ہے اس میں شامل تنقیدی و تحقیقی مضامین مختلف النوع ہیں۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں ''لسانی تحقیقی مضامین'' کے لیے ان کا انداز خالصتاً تحقیقی و تجزیاتی ہے اور وہ خالص تحقیق کو تنقید کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ کتاب کے دوسرے حصے میں ''اصولی بحثیں'' ہیں جن میں ان کا تنقیدی نقطۂ نظر حاوی نظر آتا ہے۔ پہلے حصے کے مطالعے سے سیّد عبداللہ کے عمیق و وسیع مطالعے کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ چونکہ انھیں بیک وقت عربی، فارسی اور اردو ادبیات پر دسترس تھی اس لیے لسانی تحقیق میں انھوں نے قدیم عربی تصانیف میں ہندوستانی الفاظ کی فہرست پیش کی ہے۔ اس ضمن میں ان کا مؤقف یہ ہے کہ انھوں نے ''ہندوستانی الفاظ'' کی اصطلاح اس لئے استعمال کی ہے کہ ان کی پیش کردہ فہرستِ الفاظ میں ہندوستان کی بیشتر زبانوں کے الفاظ آ گئے ہیں جن کا احاطہ کرنے کیلئے ''ہندوستانی'' وسیع اصطلاح ہے۔ لسانیات کے ضمن میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہمیں قدیم بولیوں کے زیادہ سے زیادہ الفاظ تلاش کرنے چاہیں تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ جب مسلمان ہندوستان میں وارد ہوئے تو کون سی بولیاں تھیں جو سنسکرت کے زوال کے بعد شمالی ہند میں عام تھیں اور جن کے ساتھ عربی اور فارسی کی آمیزش سے نئی زبان وجود میں آئی۔ ہندی اور پنجابی کے قدیم ترین نمونے موجود نہیں لیکن عربی اور فارسی کی جو تصانیف ہندوستان میں لکھی گئیں یا ہندوستان کے بارے میں لکھی گئی ہیں ان میں ہندی الفاظ ملتے ہیں۔ جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی کے علاوہ بھی ایک خاص ملکی زبان پہلے موجود اور مستعمل تھی۔

سیّد عبداللہ کو احساس تھا کہ اس نقطۂ نظر کی طرف پروفیسر شیرانی اشارہ کر چکے ہیں اور اسی اشارے کی وضاحت اس کتاب کے لسانی حصے میں موجود ہے۔ زبان اردو نے تدوینِ لغت کی منزل تک پہنچنے سے پہلے بہت سے مراحل فارسی کے زیرِ سایہ طے کئے۔ سیّد عبداللہ کے مطالعے اور تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ہندوستانی زبان فارسی کے غلبے کے زمانے میں چند اہم مراحل سے گزری ہے۔

۱۔ سب سے پہلے اس نے فارسی زبان کی ہیئت پر اثر ڈالا، جس سے ''استعمالِ ہند'' وجود میں آیا۔

۲۔ تشریحی مقاصد کے لیے مترادفات کی صورت میں کتابوں میں داخل ہوئی۔

۳۔ پھر بچوں کے نصابوں کی صورت میں ذریعۂ تعلیم بنی۔

۴۔ اس کے بعد لغات کی اصل اور بنیادی زبان قرار پائی۔

۵۔ اور بالآخر ہندوستان کی سرکاری، علمی اور تعلیمی زبان بن کر فارسی کی جانشین بنی۔

کتاب کا یہ حصہ لسانیات پر کام کرنے والوں کے لئے ہمیشہ ایک معتبر حوالہ بنا رہے گا۔ جہاں تک اُصولی مباحث کا تعلق ہے یہاں سید عبداللہ کا نظریہ شعر و ادب واضح ہو جاتا ہے۔ اس حصے میں ادب، ادب یا دکھوں کی تجارت، شاعری مقصد یا جنون، تحقیق و تنقید، تنقید اور نفسیات، رومانیت کیا ہے، خیال و تخیل، تخلیقی عمل اور ذوق فن ذریعۂ اظہار، صوت و الفاظ، شاعری اور علم کا رشتہ جیسے عمومی مباحث کو موضوع بنایا گیا ہے، ادب کی کیا تعریف ممکن ہے، اس ضمن میں مختلف مشرقی و مغربی ناقدین کی آراء کا جائزہ لینے کے بعد سید عبداللہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

''ادب وہ فن لطیف ہے جس کے ذریعے ادیب جذبات و افکار کو جذبہ و احساس کے مطابق نہ صرف ظاہر کرتا ہے بلکہ زندگی کے داخلی اور خارجی حقائق کی روشنی میں ان کی ترجمانی و تنقید الفاظ کے واسطے سے کرتا ہے اور اپنے تخیل اور قوت مخترعہ سے کام لے کر اظہار و بیان کے ایسے مؤثر پیرائے اختیار کرتا ہے، جن کے ذریعے سامع و قاری کا جذبہ و تخیل بھی تقریباً اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح خود ادیب کا اپنا تخیل اور جذبہ۔'' (۲۸)

ادب ایک تخلیق ہے اور اس تخلیق کے لئے حسن کا ہونا شرط لازم ہے۔ حسن کے لئے ہیئت (Form) کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مختلف ناقدین نے ''حسن'' جیسی اہم عمومی بحث میں حصہ لیا ہے مثلاً عابد علی عابد، حسن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسن اصلاً'' شکل سے، پیکر سے، انداز نگارش سے اور ہیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمیشہ صورت پذیر ہوتا ہے۔ فکر مجرد کی شکل میں فنی حسن کا تصور کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ حسن کے مدارج نہیں ہوتے، یہ ایک صفت مطلق ہے۔'' (۲۹)

سید عبداللہ اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں:

''کسی صورت کا حسن بنیادی طور پر اس کی وحدت میں مضمر ہے، یعنی اس امر میں کہ صورت کے تمام اجزا باہم متناسب و متوافق اور مربوط ہو کر شئے واحد بن جائیں۔ وحدت کے بعد ان میں تناسب کا ہونا بھی ضروری ہے اور اسی طرح توافق، تب جا کر ایک صورت، حسین صورت کہلائے گی۔'' (۳۰)

دونوں ناقدین وحدت پر متفق ہے۔ سید عبداللہ کے نزدیک حسن توازن وتوافق میں مضمر ہے یعنی
ب میں حسن مواد کی ترتیب اور الفاظ کے مخصوص استعمال پر موقوف ہے۔ کسی نظم، ناول، ڈرامے یا
سانے کی مجموعی ہیت میں حسن یا بدنمائی ہوگی یا جزوی طور پر اس کے اجزا میں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ
زا کا حسن ادب پارے کی مجموعی خوبصورتی کا باعث بنتا ہے۔ عمدہ ترتیب اور عمدہ تراکیب حسن آفرینی
باعث بنتی ہیں۔ یہی سید عبداللہ کا ادبی نظریہ حسن ہے۔

سید عبداللہ کو قدیم تنقیدی نظام سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ اس سلسلہ میں ان کی کتاب ''شعرائے اردو
ے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' کا فن نہایت اہم ہے۔ وہ عربی اور فارسی تذکروں میں تنقیدی عناصر کی
اش کرتے ہوئے اردو تذکروں کی روایت تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ تذکروں کی ایک اہم اور لائق تحسین
لی کے قائل و مداح تھے کہ یہ تذکرے تذکرہ نگار کے ذاتی شوق ومحنت کا نتیجہ تھے۔ ان تذکروں میں
نا بھی مواد ملتا ہے اس سے قدیم تنقید کے اصول وضوابط کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ تذکروں میں شعراء
غیات شعری مقاصد، سخن فہمی، اصناف کی تقسیم، موازنے اور محاکمے ملتے ہیں جو قدیم تنقیدی نظام کا
صہ تھے۔ مسلمانوں کے تنقیدی نظام پر مختلف اثرات کو زیر بحث لاتے ہوئے وہ اسے وسیع تر تناظر میں
کھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اسلام سے قبل بھی عربوں کا ایک تنقیدی نظام (جسے ذوقی نظام کہا جا سکتا ہے)
> موجود تھا۔ مگر اسلام کی پہلی صدیوں میں تنقید قرآن مجید ہی سے فیض یاب
> ہوکر ایک رخ اختیار کرتی رہی۔ نظام سلطنت، ایرانی عجمی اثرات،
> یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے اور بلاغت کے نظریے بھی اس تشکیل میں
> حصہ لیتے رہے۔ مختلف اقوام جو اسلام لائیں ان کے اذواق بھی اثر انداز
> ہوئے۔ ان وجوہ سے مسلمانوں کے تنقیدی اور جمالیاتی نظریے ان سب
> اذواق کی پیروی پر بھی مجبور ہوئے۔'' (۳۱)

ادب کی تفہیم کیلئے سید عبداللہ تنقید میں مخفی نفسی وذہنی کیفیات کو جاننے کے عمل کو انتہائی اہم سمجھتے تھے۔
وانھوں نے میر تقی میر کے سلسلے میں نفسیاتی تنقید کو بروئے کار لایا ہے۔ میر کے نفسی رجحانات اور
بدلیاں ان کا خاص پسندیدہ موضوع رہی ہیں۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ شاعروں اور ادیبوں کے
لفظی تلازمات کئی گہرے اسرار کے حامل ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ میر کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''ان سب صورتوں میں جو نفسی کیفیت میر کے یہاں بالآخر غالب نظر آتی ہے وہ

حیرت اور تعجب کی کیفیت ہوتی ہے جو کبھی انبساط کی صورت اختیار کرتی ہے کبھی انقباض کی، کبھی تشکیک تک پہنچاتی ہے۔ غرض میؔر کے سراپائے ذہن پر حیرت کی پُراسرار کیفیت چھائی ہوئی نظر آتی ہے جس کا گہرا مطالعہ میؔر کے نفسی کوائف کے انکشاف کے لئے بڑا ہی ناگزیر ہے۔" (۳۲)

دراصل سیّد عبداللہ معانی سے ماوراصوت والفاظ کے قائل نہیں تھے بلکہ صوت والفاظ کو داخلی تجربات کے بیرونی نمائندے قرار دیتے تھے۔ بعض خاص الفاظ کی تکرار شاعر کی جذباتی، ذہنی اور نفسیاتی کیفیات کی ترجمان بھی ہوتی ہیں۔ میؔر کے سلسلہ میں سیّد عبداللہ نے لفظ 'سا' اور 'سی' کے بار بار استعمال کے پیچھے میؔر کی جذباتی کیفیات کے ادراک کی دعوت دی ہے۔ ادب کے فن میں الفاظ ایک ناگریز وسیلہ ہیں۔ لفظوں کی معنوی قوت کے علاوہ ان کی آواز انفرادی طور پر بھی اثر رکھتی ہے اور سیّد عبداللہ اس تاثیر کے قائل تھے۔ وہ بحور و اوزان میں بھی فنکار کی نفسی و جذباتی کیفیات کو تلاش کرتے تھے، میؔر کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

"میر کے اوزان اور بحریں بھی قابل ذکر ہیں۔ بحریں بعض خاص جذباتی کیفیتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ بحروں کا استعمال دو چیزوں پر منحصر ہوتا ہے۔ بحر شاعر کے موضوع کے مطابق ہے کہ نہیں۔ یا شاعر کی شخصیت کا انعکاس اس میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ بعض بحریں بعض موڈوں کا اظہار کرتی ہیں۔ خوشی، غم، انبساط و تحیر، تفکر، استعجاب، دل شکستگی، گہرا الم، بھرپور خوشی، غنچوں کی چٹک، پھولوں کی مہک، اچھا شاعر، فطری شاعر ہمیشہ بحروں کا خیال رکھتا ہے۔ یا بحریں اس کا خیال رکھتی ہیں۔" (۳۳)

ڈاکٹر سیّد عبداللہ ادب کے عمومی موضوعات کو زیر بحث لا کر ان پر اپنی منفرد رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے سیّد عابد علی عابد نے انتقاد کے عمومی اُصولی مباحث پر مستقل نوعیت کی کتاب اُصول انتقادِ ادبیات لکھی۔

ذوق سلیم بھی ایسا ہی موضوع ہے جو ادب کے اہم مباحث میں شامل ہے۔ سیّد عبداللہ اس ضمن میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذوق ایک ایسی کیفیت ہے جو تخلیقی عمل میں مقیاس حسن کا کام دیتی ہے یا یہ اشیا و کوائف کے متعلق انسان کا ایک جمالیاتی رویہ ہے جو خارجی عمل میں ظاہر ہوتا

رہتا ہے۔"(۳۴)

شعری اصناف میں سید عبداللہ غزل کے بے حد معترف و مداح تھے۔غزل، غزلیت اور تغزل، غزل کی ہیئت میں تبدیلیاں، غزل کا سیاسی سماجی پس منظران موضوعات سے انھیں بالخصوص دلچسپی تھی۔ وہ غزل میں ایما (Suggestion) اور ابہام (Ambiguity) کو ضروری قرار دیتے تھے۔ان کے مطابق بعض صورتوں میں ابہام اتنا معنی خیز ہوتا ہے کہ صراحت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی یعنی وہ

حرف رسوا ہوئے صدابن کر

آبرو رہ گئی اشاروں کی

کے مسلک کے موید تھے۔ وہ ایڈگرایلن پو کے اس قول کو کہ "طویل نظموں میں شعریت کا فقدان ہوتا ہے" بنیاد بنا کر غزل کی حمایت میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ غزل میں قافیہ اور ردیف کی پابندی بذات خود ایک وحدت آفرین عنصر ہے اور اس کی داخلی نغمگی کی موجودگی میں ساز و آواز کی رفاقت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔غزل معتدل، لطیف، سبک سیر اور دل آسا قسم کا آہنگ چاہتی ہے۔غزل کی ہیئت کے سلسلہ میں وہ لفظ "ہیئت" کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر مجھ پر چھوڑا جائے تو میں (Form) کے لئے صورت کا لفظ اختیار کروں گا۔صورت حکمت کی ایک اصطلاح ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں، صورت ذہنیہ یا علمیہ، صورت نوعیہ اور صورت جسمیہ، یہ مکمل ترین ساخت ہوگی۔"(۳۵)

ان کے مطابق غزل کی ہیئت کی تبدیلیوں کا سبب ہر دور کا اپنا مذاق بھی ہوتا ہے۔مثلاً ایک زمانے میں لوگ نسبتاً طویل غزلیں پسند کرتے تھے پھر خاص ادوار میں غزل در غزل، سہ غزلہ اور چوغزلہ کا رواج بھی ہوا۔ بحور اور اوزان نے بھی غزل کی ہیئت کی تبدیلیوں میں نمایاں حصہ لیا مگر یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ غزل کا چوکھٹا وہی رہا ہے۔اس میں تصویروں کے ظاہری رنگ مختلف ادوار میں مختلف ہوتے رہے۔اس لحاظ سے غزل کی ہیئت بدلتی بھی رہی اور نہیں بھی بدلی مگر یوں زمانے کا مذاق ضرور بدلتا رہا ہے۔

"اشارات تنقید" ایک مستقل تنقیدی کتاب ہے۔اس میں مشرقی و مغربی ناقدین کے افکار و نظریات کو مختصر اً مگر جامع انداز میں پیش کیا گیا۔یہ کتاب ڈاکٹر سید عبداللہ نے خود اپنے لئے لکھی لیکن اسے خواص نے بھی سراہا۔کتاب کے دیباچہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

"میری اکثر سابقہ کتابیں طلبہ کے لئے تھیں۔ عالموں کے لئے میں نے کبھی نہیں لکھا۔ کیونکہ میں خود عالم نہیں اور میری یہ کتاب تو کسی کے لئے بھی نہیں،

یعنی یہ صرف میرے اپنے لئے ہے!اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ میں مدرسی کے
زمانے میں اپنے لئے مختلف کتابوں سے کچھ اشارے جمع کرتا رہا۔"(۳۶)

کتاب کی ترتیب کچھ رکھی گئی کہ نقد و انتقاد کی تعریف و وضاحت کے بعد اس کی مختصر تاریخ پر مختصراً تبصرہ کیا گیا۔ افلاطون سے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ تک کے اہم ناقدین کے نظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور اس ضمن میں ان کا انداز ہ بالکل واضح اور تشریحانہ ہے۔ مثلاً افلاطون نفسیاتی نقطۂ نظر سے انسان کے جن اہم خواص کا تذکرہ کرتا، اُسے ڈاکٹر سید عبداللہ یوں بیان کرتے ہیں:

"عقلی حصہ: عقل انسان کی بہترین صلاحیت ہے اور حقیقت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ۔ انسانی جسم میں اس کا مرکز دماغ ہے۔

غیر عقلی حصہ: جذبات اس کے نمائندہ ہیں۔ یہ بذاتِ خود دو حصوں کا مرکب ہے۔

۱۔ اعلیٰ جذبات، جن کا مرکز دل ہے۔

۲۔ کمتر جذبات، جن کا مرکز بدن ہے۔ ان میں سب حیوانی خواہشات شامل ہیں۔"

آگے چل کر افلاطون کے اس نظریے کو مدلّل انداز میں رد کرتے ہیں۔ کہ شاعری چونکہ جذبات کو بھڑکاتی ہے۔ اس لئے مثالی ریاست کے باشندوں کے لئے مہلک ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا مؤقف یہ ہے کہ افلاطون کا یہ اعتراض جذبات کی صحیح اہمیت کا اندازہ نہ کرسکنے کی وجہ سے ہے۔ جذبات خیر کے حصول کے لئے لازمی ہیں۔ بعض جدید مفکرین کے نزدیک "جذباتی آدمی وہ شخص جو جذبے کے تحت خیر یا نیکی کرتا ہے۔

عقلی آدمی سے جو منطق کی روشنی میں چلتا ہے، بدتر ہے۔ جذبہ بے غرض خیر اور جرأت مندانہ اقدام کا متقاضی ہوتا ہے۔ منطق خیر کے معاملے میں جرأت مندانہ اقدام کا متقاضی ہوتا ہے۔ منطق خیر کے معاملے میں لاکھ تامل کے بعد قدم اُٹھاتی ہے۔ خود افلاطون نے اعلیٰ اور کمتر جذبوں میں امتیاز کیا ہے۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شاعری چونکہ جذبات کو اپیل کرتی ہے۔ اس لئے قابلِ مذمت ہے۔ جذبات اعلیٰ اور اچھے بھی ہو سکتے ہیں، اور شاعری ان کے اظہار کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ افلاطون کے بعد ارسطو کے نظریات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ اپنا تنقیدی مؤقف اور فیصلہ ارسطو کے حق میں دیتے

ہیں۔ ان کے مطابق افلاطون کے برعکس ارسطو نے شاعری کو بھی علم کی شاخ قرار دیا۔ افلاطون نے اخلاقی اُصول وضوابط کے پیش نظر جمالیات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ ارسطو نے جمالیات کو بنیاد بناتے ہوئے حسن شناسی کے اُصولوں کے علم کی ابتداء کی۔ کتاب کے دوسرے حصے میں تنقید کی تاریخ کو اسلامی دور سے منسلک کرتے ہوئے تنقید کے قدیم دور سے جدید کی طرف بڑھے ہیں، اور تنقید کے دور جدید میں تنقید کے مختلف مسالک کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ادبی تنقید کی سائنسی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے آئی۔ اے رچرڈز، ہربرٹ ڈنگل اور دیگر ناقدین کی رائے کو سامنے لا کر منطقی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اب رچرڈز کو دیکھئے، اس کا خیال ہے کہ تنقید میں ناقد کا ذوق نقد نہ کہ مصنف کا ذوق تخلیق مدنظر ہونا چاہیئے۔ بظاہر یہ عجیب سا بیان ہے۔ لیکن آسان لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ رچرڈز کے نزدیک تخلیق اور تنقید دو الگ الگ سلسلے ہیں، اس لئے ناقد کی اپنی نفسیات ادبی تنقید میں در آتی ہے اور مصنف کنارے پر کھڑا منہ تکتا رہتا ہے۔ اس پیچیدہ صورت حال میں اس کے سوا کیا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ تنقید جزواً عقلی اور سائنسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس میں ذوق کی کارفرمائی مسلم ہے اور یہ وہ قلمرو ہے جس میں ابھی سائنس کا سکہ نہیں چلا۔'' (۳۷)

کتاب کا آخری حصہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے متفرق موضوعات میں ادب کے قدیم تصور، شعر کی تعریف، ادب کی قسمیں، فن انشاء، ادب کی جدید تعبیریں، ادب کی انواع، ادب میں حسن، ادب فن لطیف وحدت، تناسب ہم آہنگی، اسلوب اور نثری اسلوب، شاعری کیا ہے۔ جیسے عمومی مباحث کو چھیڑا ہے۔ اس حصے کے مطالعے سے ان کو بحیثیت نقاد سمجھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے عمومی مباحث میں سب سے زیادہ اہمیت ذوق اور تحسین سخن کو دی ہے۔ ان کے خیال میں ذوق ایک ناقابل بیان کیفیت وصلاحیت ہے۔ جس طرح ذائقے کی تشریح نہیں کی جا سکتی اور اس طرح اسے بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔

وہ لکھتے ہیں:

> ''ذوق صرف فن کاروں کی واحد ملکیت نہیں، یہ تو ایک الوہی عطیہ ہے۔ جس میں تمام انسان شریک ہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا بہت

> بڑا حصہ فن کار کو ارزانی ہوا ہے، بہرحال موزونیت یا حسن کی طلب یا اس کو ایک خاص صورت میں بروئے کار لانے یا اس کو تسکین دینے کا نام ذوق ہے، اس میں فن کار کی طرح فن شناس دونوں کی اور بیشی کی نسبت سے شریک ہوتے ہیں۔(۳۸)

اسلوب کے ضمن میں ان کی بحث قابل غور ہے۔ جس میں ان کا موقف یہ ہے کہ اسلوب میں فنکار اپنی انفرادی خصوصیات کو سمولیتا ہے اور پھر اس کا پیرایہ بیان دوسروں سے الگ اور ممتاز ہو جاتا ہے۔ سٹائل ایک جامع لفظ ہے جس میں بیان کے خارجی اور داخلی مظاہر سب شامل ہو جاتے ہیں۔ مصنف اپنے خاص نفسی نظام کے ساتھ، جذباتی و اعصابی ساخت کے سامنے ہمارے سامنے آتا ہے۔ جب وہ کسی داخلی تحریک یا خارجی واقعہ سے متاثر ہوا تو اس کے دل میں اظہار کا داعیہ پیدا ہوا، پھر وہ طریق اظہار کی جستجو کرتا ہے۔ ذوق اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ مگر نقطۂ نظر بھی سامنے رہتے ہیں۔ قوت جستجو کی مدد سے، مواد ذہن میں جمع ہو جاتا ہے۔ پھر ترتیب و انتخاب مواد کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر صورت بنتی جاتی ہے۔ اسلوب کی نوک پلک درست کی جاتی ہے اور آخر میں ایک ادبی کارنامہ تکمیل پاتا ہے۔ وہاں اس کا اسلوب بھی منفرد ہو جاتا ہے۔ فکری و فنی سطح پر اسی انفرادیت کو سٹائل یا اسلوب کا نام دیا جاسکتا ہے۔

آخر میں شاعری کیا ہے پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے الہام، فن، نقالی، صنعت گری، چاکری یا پروپیگنڈہ جیسے امکانات کو موضوع بنایا ہے۔ اور نتیجہ کے طور پر چند نکات سامنے لائے ہیں۔ جو قابل توجہ ہیں۔ ان امکانات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر سید عبداللہ شاعری کی ماہیت، افادیت اور سوسائٹی پر اس کے اثرات کے بارے میں واضح نظریہ رکھتے تھے۔ ان کے مطابق شاعری تاریخ اور ارتقائے افکار انسانی کا ایک عنصر ہے۔ یہ خاص ذی احساس اور ذی شعور انسانوں کی داخلی سوانح عمری بھی ہے۔ یہ (Craft) بھی ہے، یعنی اس میں ہنرمندی کی گنجائش ہے، اور یہ اسے بھیدوں سے بھری ہوئی ہوتی ہے جن جو عام نگاہیں نہیں پاسکتیں۔ مجموعی طور پر اس کتاب میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے مشرق و مغرب کی تنقیدی تاریخ کا احاطہ بڑے عمدہ طریقے سے کیا ہے اور عمومی مباحث کی ذیل میں واضح نظریات مرتب کیے ہیں۔

اردو شعرا میں میر، غالب، سودا، درد، مصحفی، اقبال اور نثر نگاروں میں سرسید، شبلی، حالی، آزاد، میر امن، عبدالحق، ملا وجہی بالخصوص ان کی دلچسپی کا مرکز رہے۔ انھوں نے ایک معلم و مدرس کی حیثیت سے بہت سے موضوعات پر قلم تدریسی ضروریات کے تحت بھی اُٹھایا۔ مثلاً ان کی تصانیف "ولی سے اقبال تک"

سرسیداوران کے رفقاء کی نثر کا فکری وفنی جائزہ، میر امن سے عبدالحق تک، وجہی سے عبدالحق تک، اور نقدِ میر کا شمار خالصتاً تدریسی کتب میں کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کو سرسید تحریک اور سرسید کے رفقاء سے خاص دلچسپی تھی لیکن ایک متوازن نقاد کی طرح وہ کہیں بھی محض جذباتیت کا شکار نہیں ہوئے۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ سرسید احمد خان جو ایک سیاسی رہنما بھی تھے اس انقلابی صورت حال سے متاثر ہو کر تبدیلی کے عمل کو ایک منظم صورت دینے میں کامیابی حاصل کی اور اپنی غیر معمولی شخصیت اور نادر قابلیتوں کا بروئے کار لا کر اردو ادب کو زمانے کے واقعات اجتماعی سے ہم آہنگ کر دیا۔ اور جو چیز پہلے محض انفرادی، منتشر اور اتفاقی تھی سرسید کی بدولت ایک منظم تحریک بن گئی۔ اس منظم تحریک کے ذریعے سے ادب میں ایک نئی آواز اور اس کے پیچھے ایک نیا شعور اور دنیا ذہن نظر آتا ہے۔ ادب میں انسان کی اجتماعی زندگی پر خاص زور اسی دور میں ہوا۔

پرانے ادب میں خطاب فرد سے تھا مگر نئے دور کا خطاب اجتماع سے ہونے لگا۔ یعنی پرانی شاعری میں دردمندی بھی ہے اور کہیں کہیں اجتماعی شعور بھی نظر آتا ہے مگر اجتماعی طور پر محسوس کیے ہوئے جذبات اور سوچے سمجھے ہوئے جو افکار حالؔی اور شبلؔی کی شاعری میں پائے جاتے ہیں ان کی مثالیں پرانی شاعری میں خال خال ملیں گی۔ سرسید کی ادبی تحریک فکری لحاظ سے بڑی مؤثر ثابت ہوئی، اس ادب نے زندگی میں یقین پیدا کیا اور عمل کی برکات کا اعتقاد بڑھایا۔ عقل وفکر کی اہمیت پھر سے واضح ہوئی اور تمدنی تعاون کا احساس زندہ ہوا۔ یہی وہ عناصر تھے جن کے سبب اس ادب میں قوت پیدا ہوئی اور آنے والے اہم نظر یات کے لیے راستہ صاف ہوا۔ سرسید کی تحریروں نے عقل ودانش کی برتری ثابت کی۔ ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی نے اخلاق اجتماعی کا احساس اُبھارا۔ حالؔی انسان دوست ادیب تھے اور شبلی نصب العین پسند ادیب۔ ڈپٹی نذیر احمد نے معاملہ فہمی اور حسن انتظام کی صفات ابھاریں اور سرسید نے مہذب، باقاعدہ، مستعد اور فرض شناس انسان کا سماجی کردار پیش کیا۔

اردو ادب کی ایک صدی'' کا دیباچہ میرزا ادیب اور ڈاکٹر وحید قریشی نے لکھا۔ اس کا پہلا باب ''۱۸۵۷ء سے جنگ عظیم اول تک'' کے عنوان سے شامل ہے اس کے تحت رفقاء سرسید شعراء، دبستان سرسید کا نثری سرمایہ، افکاری کی عمومی بحث، حلقہ سرسید سے باہر کا ادب، نثر حلقہ سرسید سے باہر، ناول نگاری، ڈراما جیسے ضمنی موضوعات پر تفصیلی بحث ہوئی ہے۔ اسی باب میں جدید ادب کی اصطلاح کی نہایت سادہ وضاحت وتشریح کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق جدید ادب کی اصطلاح کے لیے صرف زمانی جدت کافی نہیں۔ ایک تصنیف بالکل تازہ ہونے کے باوجود نئے ادب سے خارج کی

جا سکتی ہے۔ نیا ادب ایک خاص روح اور ایک خاص لہجے سے عبارت ہے۔ اس کا تعلق اس روح معنوی سے ہے جو ادب کو معاصر واقعات زندگی سے وابستہ رکھنے کے باوجود ابدی حقیقت کی حامل ہوتی ہے۔

اگر کوئی تصنیف اس روح کی حامل نہیں تو اسے نیا ادب نہیں کہا جائے گا۔ اردو میں جدید ادب ان تازہ ترین ادبی تبدیلیوں سے عبارت ہے جن میں روایت سے بغاوت کا عنصر غالب ہے۔ یہ جدید ادب نیا ادب ہو سکتا ہے مگر سارا نیا ادب لازماً جدید ادب نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ۱۸۵۷ء سے قبل، سرسید سے الگ اور ان سے پہلے بھی نئے ادب کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں محکمہ تعلیم پنجاب، اور انجمن پنجاب خصوصاً کرنل ہالرائڈ کی ادبی تحریک کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اس سے پہلے مرزا غالب کو بھی نئے ادب کا بانی یا نمائندہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی شاعری اور نثر دونوں میں تازہ دم فکری روح اور شخصی رومانی آشفتگی کا احساس ہے۔ ادب کے نئے ذوق میں محمد حسین آزاد کا بہت حصہ ہے۔ پھر سرسید اس انقلابی صورت حال اور تبدیلی کے عمل کو ایک منظم تحریک دینے میں کامیاب ہوئے اور اپنی غیر معمولی شخصیت کی بدولت اردو ادب کو زمانے کے واقعات اجتماعی سے ہم آہنگ کر پائے۔ اردو ادب میں سماجی روح کئی راستوں سے آئی۔ انسانی سماجیت پرانے ادب میں بھی تھی، یہ مذہب اور تصوف کے راستے سے ادب میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے افکار مذہب اور تصوف سے ماخوذ تھے۔ داستانی ادب میں چھپی ہوئی اخلاقی سماجی روح موجود تھی، لیکن اس صورت حال کے باوجود پیش قدمی کا رخ فرد سے سماج کی طرف تھا۔

اصلاح کی ہر کوشش، فرد سے شروع ہوتی تھی۔ چونکہ سماج افراد کے مجموعے کا نام تھا اس لئے سماج کی اصلاح، خود بخود ہو جاتی تھی، یہ سماجیت مذہب اور اخلاق و تصوف کی پروردہ تھی، اس لئے اس کی روح کشادہ عالمگیر، انسان دوست اور خدا اندیش تھی۔ سرسید نے اردو ادب میں ایک اور طرح کی سماجیت پیدا کی۔ اس کی بنیاد زمینی، دینوی تھی اس پر سیاست بھی اثر انداز تھی۔ مادی منفعت اور اپنی قوم کی سیاسی حیثیت اس کے دو نصب العین تھے۔ اس کا اخلاقی پہلو برحق مگر محدود تھا۔ اپنے نصب العین کو پانے کے لیے سرسید تحریک نے ادب کے ذریعے ایک نئی فضا قائم کی۔ اس طرح جدیدیت کی بنا پڑی اور نئی اصناف شعر و نثر میں روشناس ہوئیں۔ سرسید کے رفقا نے تاریخ، سوانح، ادبی تاریخ و تنقید نظم گوئی کو فروغ دیا اور ان اصناف کو نئی جہت عطا کی۔ شاعری کے ضمن میں، حالی کو خاص اہمیت حاصل ہے انہوں نے غزل و نظم دونوں میں اہم تبدیلیاں کیں، بہت سی حد بندیوں کو توڑا۔ حالی کے معترضین کو مدلل جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حالی کی غزل جدید خشک اور سپاٹ ہے۔ یہ رائے قدرے درست ہے لیکن ان سپاٹ غزلوں میں بھی شکستہ دلی اور دبی دبی درد مندی کی کسک موجود ہے اور لہجہ و زبان بھی چونکہ حالی کا ہے اس لئے غزل کا مزا باقی ہے۔ حالی دراصل غزل کو وسعت دینا چاہتے تھے جس کی کمی کے باعث ثقہ لوگوں کی نظر میں غزل کی صنف خاصی بدنام ہو گئی تھی۔'' (۳۹)

ڈاکٹر سید عبداللہ معروضی سطح پر رہ کر فیصلہ کرتے ہوئے اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ سرسید تحریک کی مذکورہ خوبیاں اپنی جگہ لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سرسید کی ادبی تحریک نے جہاں پرانے ادب کے بہت سے خلاء پر کئے وہاں خود بہت سے شگاف بھی پیدا کر دیے۔ کیونکہ ادب بہر حال بنیادی طور پر جذبات اور تخیل کا محتاج ہے۔ ادب کا منصب یہ نہیں کہ وہ محض عقلی اور استدلالی قضیوں کی تخلیق کرتا ہے اس کام کا تو یہ ہے کہ وہ اثر آفرینی، مصوری، پیکر تراشی کے ذریعے حقیقتوں اور صداقتوں کو نفس انسانی پر منقش کرے۔ مگر سرسید تحریک کا لب لباب عقلیت محض کی فوقیت ہے جس کے زیر اثر بسا اوقات انسان کا جذباتی نفس گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ اجتماعی سرگرمیوں کے اندر بھی انسان خود کے شعور اور خودی کی تلاش سے غافل نہیں رہتا۔ کیونکہ انسان محض مادی ضرورتوں اور تقاضوں کا پیکر نہیں، ان سے ماورا بھی انسان کے کچھ نفسی تقاضے ہوتے ہیں جن کی خلش مادی ضرورتیں پوری ہو جانے پر بھی اس کو اکثر بے تاب رکھتی ہے وہ انسانی ہجوم میں رہ کر اور اس میں گم ہو کر بھی اپنے آپ کو ڈھونڈتا رہتا ہے۔ ذات کی یہ تلاش حقیقی اور اصلی ہے اور جواب سے غفلت برتتا ہے اور نفس کے اس تقاضے کو نظر انداز کرتا ہے وہ کچھ مدت کے بعد اپنا اثر کھو بیٹھتا ہے سید عبداللہ نے سرسید تحریک اور اس کے اثرات کا ایسا تفصیلی اور باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے کہ اس کی خوبیاں اور خامیاں پوری طرح سامنے آجاتی ہیں۔ مغربی نقاد ٹی ایس ایلیٹ کا خیال ہے کہ ہر صدی کے بعد ایک ایسے نقاد کی ضرورت ہوتی ہے جو پہلے قائم شدہ نظام ادب کی از سر نو ترتیب کرے۔ یہ کام انقلابی اور تخریبی نہیں بلکہ تنظیم نو کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سرسید کی ادبی تحریک کا صحیح مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لیے سید عبداللہ جیسے نقاد کی ہی ضرورت تھی۔ انہوں نے تحقیق کے ذریعے تنقید کی راہ پر قدم رکھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید جذباتیت، غیر متوازن فیصلوں، سنسنی خیز جملوں اور متنازعہ تقابل سے محفوظ رہی ہے۔ ان کی اس خوبی کو جمیل ملک نے ان الفاظ میں خراج پیش کیا ہے:

''یوں معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللہ نے تحقیق کی عرق ریزی ہی سے تنقید کا چراغ

جلایا ہے۔ اس سارے عمل میں ولیؔ، میرؔ اور غالبؔ کی تثلیث سے سید عبداللہ کی
تحریروں میں جذبے کی آگ روشن کی ہے۔ سرسید احمد خان سے اقبال تک کا
فکری سرمایہ اس کے شعور کے صیقل کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوا ہے اور میر
امنؔ سے مولوی عبدالحق تک کی لسانی تحریکوں نے اسے ایک طرف منفرد اسلوب
نگارش عطا کیا ہے تو دوسری طرف اسے قومی زبان کی ترویج وترقی کے قافلہ
سالاروں میں بھی شامل کردیا ہے۔" (۴۰)

کتاب کا دوسرا باب جنگ عظیم اول کے بعد ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۱ تک کے ادبی حالات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں مذہب، علم الکلام اور سیاست، تاریخ اردو زبان کی تاریخ اور ادبی تاریخ، شاعری، ڈراما، طنز وظرافت، ناول اور افسانہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یورپ میں پہلی جنگ عظیم کا اثر مختلف شعبہء ہائے زندگی پر مختلف تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کی ذہنیت ایک فرانسیسی ادیب کے ان الفاظ سے اچھی طرح ظاہر ہوسکتی ہے۔ کہ "اگر خدا واقعی ہوتا تو یہ مصیبتیں شاید ظہور میں نہ آتیں۔ مگر ایک دوسرے گروہ نے اس خوفناک قیامت کے لئے روحانی کمزوریوں کو ذمے دار ٹھہرایا۔ ہندوستان پر بھی اس جنگ کے اثرات پڑے۔ خلافت کی تحریک میں عارضی طور پر احیائے مذہب کی تحریک کو کچھ سنبھالا ملا۔ لیکن جلد ہی مخالف مذہب تحریکیں بھی ابھر آئیں۔ سیاسی دائرے میں پہلی جنگ عظیم نئی زندگی اور تازہ بیداری کا پیغام لے آئی۔ ۱۹۱۸ء کے بعد جب کہ یورپ میں جنگ کا عملی طور پر خاتمہ ہوچکا تھا۔ ہندوستان میں آزادی کے لیے تحریک ترک حوالات وجود میں آئی، جو ترکی کی تقسیم اور مسئلہ خلافت کی وجہ سے ۱۹۱۹ء میں بے حد قوی اور مستحکم ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ سے آل انڈیا نیشنل کانگریس کو بھی قوت ملی۔ ہجرت کی وجہ سے بعض ہندوستانی نوجوان کو جدید روس کے خیالات سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ یہ نوجوان اپنے ساتھ اشتراکی خیالات لائے۔ ملک کے اندر کسانوں اور مزدوروں میں ایک خاص احساس ترقی پیدا ہوا جس کی وسعت اور شدت یہاں تک پہنچی کہ ترقی پسند ادب کی بنیاد بنی۔ کتاب کے آخری باب میں ۱۹۳۶ء سے جدید دور تک کے ادب کا اصناف کے تحت جائزہ لیا گیا ہے۔

اصناف شعر میں نظم، آزاد نظم، گیت، غزل اور نثری اصناف میں افسانہ ناول، ڈراما، تنقید، تاریخ، سوانح، دینی ادب کا جائزہ لیتے ہوئے سید عبداللہ نے ایک ادبی تاریخ مرتب کی ہے۔ گرچہ اس کتاب کو باقاعدہ ادبی تاریخ کا نام نہیں دیا گیا لیکن اس میں ادبی تاریخ کی بنیادی اور اہم خوبیاں موجود ہیں۔

"ولی سے اقبال تک" ایک ایسی تنقید کاوش ہے جس میں سید عبداللہ نے ولی سے اقبال تک کے

شعراء کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے وسیع مطالعے کی بدولت آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ انہوں نے ولی دکنی کے باب میں نئے زاویہ نظر کو سامنے لایا ہے ان کا خیال ہے کہ ولی کا خاص فن محض ایک خاص قسم کی طربیہ حسن پرستی تھی۔ وہ محبت کے باب میں میرؔ کی ضد واقع ہوئے تھے انہوں نے حسن کا مطالعہ زیادہ آنکھوں سے کیا اور میرؔ نے دل سے۔ میرؔ اعتراف حسن آہ سے کرتے تھے اور ولیؔ واہ سے، اسی لیے ولیؔ کے یہاں سوز و درد کم لیکن رنگینی و نغمہ آفرینی زیادہ پائی جاتی ہے۔ آتش کے سلسلہ میں صوفیانہ عناصر کی رد پیش کرتے ہوئے سید عبداللہ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ آتش ایک رند مشرب، آزاد طبیعت، قلندرانہ فطرت رکھنے والا انسان تھا اور اس کی یہی خصوصیات اس کی شاعری کی جان ہیں۔ غالب کی غزل پر ایک مختصر مضمون ہے لیکن غالب کے "حاسۂ انتقاد" پر روشنی ڈالتے ہوئے سید عبداللہ نے بالکل نئی چیز پیش کی ہے جس کی طرف ہمارے ناقدین کی توجہ نہ تھی اور غالب کے اس ادبی پہلو کو اکثر نظرانداز کیا گیا ہے۔

شعرائے اردو کے تذکرے اور فن تذکرہ نگاری، نہ صرف اردو کے ابتدائی تنقیدی نظام کو سمجھنے میں معاون ہے بلکہ تذکرہ نویسی اور سیرت نگاری کے مختلف نظریات کا ایک متوازن جائزہ بھی ہے۔ قدیم تذکرے جدید اصولوں پر نہیں پرکھے جاسکتے پھر بھی ضمنی طور پر ان میں ایسی بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جو ایک محقق اور ادیب کی نظروں میں جواہر ریزوں سے کم نہیں۔ اس سے شاعروں کے ضروری حالات، ان کا ماحول ہمارے مشاہدے میں آجاتا ہے۔ اس دور کی معاشرت اور روزمرہ زندگی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ اس طرح تذکرے ہماری ادبی تاریخ کا قیمتی سرمایہ اور ہماری قدیم معاشرے اور تہذیب کی بڑی قابل قدر یادگاریں ہیں۔ اس کتاب میں میرؔ کے تذکرۂ نکات الشعراء کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور آب حیات پر اٹھائے گئے اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیا ہے۔

نقد میرؔ واحد ایسی کتاب ہے جس میں سید عبداللہ کا محققانہ معروضی انداز اور متوازن تنقیدی تجزیہ جذباتیت کی مٹھاس لئے ہوئے ہے۔ میرؔ نہ صرف بڑے شاعر کی حیثیت سے بلکہ سید عبداللہ کو ایک محبوب شاعر کی حیثیت سے عزیز تھے۔ چنانچہ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اعجاز حسین لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر سید عبداللہ ادبیات شرقیہ استاد تھے، اردو ادبیات سے انہیں گہری دلچسپی تھی۔ ان کا انداز تنقید محققانہ اور انداز تحریر عالمانہ ہوتا ہے، مگر اس کتاب کا موضوع چونکہ میرؔ اور کلام میرؔ ہے اور اس سے ڈاکٹر سید عبداللہ کو جذباتی لگاؤ ہے۔ اس لئے ان کے عالمانہ انداز تحریر میں جذبات کی

چاشنی کا رچاؤ بھی آ گیا ہے۔''(۴۱)

انہوں نے میر کی شاعری کو صرف جمالیاتی تسکین کا ذریعہ نہ بنایا بلکہ عملی زندگی میں بھی ان کا اثر نمایاں تھا۔ خود کہا کرتے تھے کہ میر کی شاعری نے مجھے تعلقات میں حوصلہ منداور متحمل بنایا ہے۔ میر نے مجھے مسکرانے کا فن سکھایا ہے۔ اور یہ مسکراہٹ الم کے سرچشموں سے ابھرتی ہے مگر اس میں طنز و احتجاج نہیں، خوئے تسلیم کے رنگ ہیں۔ آہستگی، برداشت، تحمل، مظالم جور و جفا کے باوجود ایک ایسا توازن رکھنا جس میں نفرت و انتقام کا شائبہ تک بھی پیدا نہ ہو یہ راستہ مجھے میر نے دکھایا ہے۔

انہوں نے میر کے تمکین لہجے کی وضاحت کرتے ہوئے اسے غم کی آفاقیت کا نام دیا۔ وہ میر کے بارے میں مروجہ غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا ازالہ کرنے میں مصروف رہے۔ میر پر اپنی تحریر میں انہوں نے میر کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی مثلاً میر کی بدمزاجی، کم آمیزی، تندمزاجی کے بارے میں جو غیر ہمدردانہ رائے عام طور پر قائم ہے اسے از سرنو ہمدردی سے دیکھنے پر زور دیا۔ بظاہر تو اشعار مجموعہ الفاظ کے سوا کچھ نہیں ہوتے لیکن ان الفاظ کے پیچ دار راستوں سے گزر کر شاعر کے اصل معانی اور روح تک رسائی اہم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے میر کے ضمن میں اس اہم اور مشکل کام کو حسن و خوبی سے انجام دیا۔ ہماری شاعری کو قدیم معاشرے میں اجتماعی تفریح طبع کے لیے ہر اک اس میدان میں اتر آیا۔ حتیٰ کہ یہ سمجھا گیا کہ محض نقالی سے بھی عمدہ شاعری کی جا سکتی ہے۔ لیکن میر کے سلسلہ میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ پر شاعری کی اپنی انفرادیت پر بھی بڑا زور دیا کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے یہاں انفرادیت کی اکثر صورتیں لہجہ و بیان کے امتیاز تک محدود ہیں اور احساساتی ریاضتوں سے ترتیب یافتہ انفرادیت جو مضامین اور تجربات میں متشکل ہو کر سامنے آتی ہے کم ہے۔ اور جہاں بھی ہے بڑی طویل، مہیب یک رنگی اور خوفناک یکسانی کے بعد جلوہ گر ہوئی ہے۔''(۴۲)

بنیادی طور پر ڈاکٹر سید عبداللہ کلاسیکی نقاد تھے اور ان کی علمی حیثیت محققانہ تھی لیکن جب بات میر کی ہو تو ان کا قلم محبت میں ڈوب جاتا ہے پھر وہ میر کی شاعری کو عالمانہ نہیں بلکہ جذباتی سطح پر بھی جذب کرتے ہیں۔ لیکن اس جذباتی وابستگی میں بھی توازن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ میر پر ان کے انداز تنقید کا تذکرہ کرتے ہوئے اعجاز حسین لکھتے ہیں:

> ''ان کا کمال یہ ہے کہ اس وابستگی کے باوجود نہ کہیں پاسداری سے کام لیتے ہیں نہ غلو کرتے ہیں، نہ میر کے مخالفوں سے الجھتے ہیں، نہ میر کے مدعی بن کر دوسروں کا درجہ کم کرتے ہیں۔ وہ تو بس میر کے ''فقیرانہ آئے صدا کر چلے'' والے

انداز میں آہستگی اور قناعت سے بات کرتے چلے آتے ہیں۔" (۴۳)

اس کتاب میں شامل مقالات کے تنوع سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سید عبداللہ نے میر کی شخصیت اور شاعری کے ہر پہلو پر نظر رکھی ہے۔ مثلاً میر کا رنگ طبیعت، کلام میر میں فکری عنصر، میر کے قبول عام کی بنیادیں، تقلید میر شارع عام، اور آخر میں "میں اور میر۔" ان عنوانات سے ظاہر ہے کہ میر کی شخصیت اور کلام کے ہر پہلو کو منور کیا گیا ہے۔ یہ کتاب میر سے محبت کا نتیجہ ہے اس لیے تمام شاعری کو عالمانہ طور پر نہیں بلکہ جذباتی اور حسیاتی ادراک کے ساتھ جذب کیا گیا ہے۔ آخری مضمون "میں اور میر" میں انہوں نے اعتراف کے ہے کہ وہ حافظ، اقبال اور غالب کے ساتھ تھوڑی دور چل کر رہ گئے اور میر کا ساتھ ہمیشہ کا ساتھ ثابت ہوا۔ ان کا یہ کہنا بھی قابل غور ہے کہ میر کا مطالعہ فکر و احساس کی پختگی کا طالب ہے کوئی نا تجربہ کار عیش کوش نوجوان میر کا صحیح قاری نہیں ہو سکتا۔ میر کا صحیح مخاطب حکیمانہ مزاج کا پختہ کار آدمی ہی ہو سکتا ہے۔ جس طرح ارزاں جذبات پرستی کا زمانہ مطالعہ میر کے لیے سازگار نہیں بالکل اسی طرح خشک عقلیت کا دور بھی میر سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ میر کے غم کی آفاقیت، لہجے کی دردمندی، آہستگی، برداشت، تحمل اور توازن سید عبداللہ کو متاثر کرتا ہے وہ اس کا اثر اپنی زندگی پر تسلیم کرتے تھے۔

ان کی اس خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے رہیں:

> "ڈاکٹر سید عبداللہ کی شخصیت میں ایک محقق اور ایک نقاد کا جو خوشگوار امتزاج ملتا ہے اس کی بنا پر وہ اردو کے سربرآوردہ ناقدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے مقالات طلبہ سے لے کر ناقدین سبھی کے لیے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔" (۴۴)

ڈاکٹر سید عبداللہ کو علامہ محمد اقبال کی ذات اور نظریات سے دلی لگاؤ تھا۔ آپ کے کئی اہم مقالات مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے، آپ کے کلاس لیکچروں کو آپ کے شاگرد ممتاز منگلوری نے کتابی شکل میں شائع کرایا جن میں طیف غزل، "طیف نثر"، کے علاوہ "طیف اقبال" کے عنوان سے ایک کتاب اقبال پر دیے گئے لیکچروں پر مشتمل ہے۔ مقاصد اقبال، سبل اقبال، متعلقات خطبات اقبال، مسائل اقبال، مقامات اقبال اور مطالعۂ اقبال کے چند نئے رخ" کا شمار (اقبالیات کے مطالعے کے ضمن میں) اہم کتب میں ہوتا ہے۔

۲۰۰۳ء میں "اعجاز اقبال" کے عنوان سے سنگ میل پبلی کیشنز نے ڈاکٹر سید عبداللہ کے اقبالیات پر اہم مقالات کو کتابی شکل دی ہے۔ سید عبداللہ کو نہ صرف اقبال شناس سمجھا جاتا ہے بلکہ اقبال اور دیگر

مسلمان مفکرین کے تقابلی مطالعے سے بھی انھیں گہری دلچسپی تھی۔ ان کی اقبال شناسی کا اعتراف کرتے ہوئے محمد اکرم چغتائی لکھتے ہیں۔

"سید صاحب کے مطالعہ اقبالیات کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تحریروں کو دور از کار فلسفیانہ اصطلاحات اور ادق پیرایہ اظہار سے بوجھل نہیں ہونے دیا، بلکہ تفہیم اقبال کی خاطر انھوں نے سہل ترین انداز بیان اختیار کیا تا کہ طلبہ کے علاوہ اساتذہ نیز عام قارئین بھی با آسانی مستفید ہو سکیں اور یوں فکر اقبال کے بھی منور گوشوں سے اپنے قلب ونظر کے نہاں خانوں کو روشن کر سکے۔"(۴۵)

سید عبداللہ ان موضوعات پر قلم اٹھاتے تھے جن پر کسی اور نے کچھ بھی نہ لکھا ہو اور اگر لکھا ہو تو مزید لکھنے کی تحقیقی گنجائش باقی رہتی ہو۔ اقبال کے ضمن میں بھی انھوں نے اس انفرادیت کو برقرار رکھا اور قارئین اقبال کو فکر کے ان سرچشموں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جن کے بارے میں محققین اقبال زیادہ سرگرم نظر نہیں آتے۔

۶۸۰ صفحات پر مشتمل اس ضخیم کتاب سے اقبال کی زندگی اور فن وفکر کے کئی گوشے منور ہوتے ہیں۔ اقبال کے عمومی وخصوصی مطالعات کے علاوہ انگریزی میں لکھے گئے سات مضامین اس کتاب کی اہمیت اور حیثیت کو مزید نکھارتے ہیں اقبال سے ذاتی ملاقاتوں کا مختصر احوال "اقبال دیدہ وشنیدہ" میں شامل ہے۔ اقبال کا تصور ادب، شاعری اور نثر، فارسی شاعری، تقابلی مطالعات کے ضمن میں غالب پیشرو اقبال، مطالعۂ رومی میں اقبال کا مقام، اقبال وحافظ کے ذہنی فاصلے، شیخ اکبر اور اقبال، اقبال اور فخر رازی، اقبال اور شبستری، اقبال اور ابن خلدون، ابوریحان البیرونی کا تصور تاریخ اقبال کی نظر میں، اقبال اور ابوالکلام آزاد کے ذہنی فاصلے، اقبال اور مغرب، محض ان عنوانات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں سید عبداللہ کی فکر کی تشریح وتوضیح موجود ہے۔ ایک باریک بین تجزیہ کار کی حیثیت سے وہ اقبال کی فارسی اور اردو شاعری کے درمیان امتیاز کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"میں یہاں یہ عرض کرتا جاؤں کہ اقبال کی اردو شاعری اور فارسی شاعری میں اظہار وابلاغ کی سطح پر اتنا فرق تو بالکل واضح ہے کہ اردو شاعری علامہ کے فطری (نیچرل) اظہار کی نمائندگی کرتی ہے اور فارسی شاعری ان کی ذہانت وعلمیت،

قدرت اظہار اور وسعت نظر کی نمائندہ ہے۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ ان کی فارسی
شاعری دائرہ تخاطب کے لحاظ سے وسیع تر ہے۔ اور ان کی اردو شاعری مقبول تر
اور یوں ادبی شاہکار دونوں میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں علامہ کے افکار
سالم طور پر ان کی فارسی کی مثنوی نما طویل نظموں میں بخوبی بیان ہو سکے ہیں،
وہاں ان کے اردو کلام میں افکار کی سالمیت اجزاء میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (۴۶)

علامہ اقبال کی تلمیحات، تراکیب علامات اور فنی ایمائیت کا تقابل دیگر مغربی علامت پسندوں سے کرتے ہوئے سید عبداللہ لکھتے ہیں۔

"Iqbal was a symbolist, but not in the sense Baudlaire, Mellarme and others were symbolists, because while the later used symbols in order to conceal reality, Iqbal used symbols to expose reality more clearly".

سید عبداللہ کی تحقیق وتنقید سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد ایک تاثر جس پر دو رائے نہیں ہو سکتیں، یہی ہے کہ وہ تحقیق وتنقید کا ایک پاکیزہ اور فکر انگیز شعور رکھتے تھے۔ اپنے مذاق سلیم کی بدولت وہ کلاسیکی تنقید کا حق ادا کرنے کی فطری قابلیت کے حامل تھے۔ ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین قاری کو اکتاہٹ میں مبتلا نہیں کرتے بلکہ اس کے ذوق سلیم میں بلندی اور ذوق مطالعہ کو مہمیز لگاتے ہیں۔ ان کے اسلوب کی چاشنی اور رس پڑھنے والے کو اپنا ہم نوا بنا لیتی ہے۔

''امین الحق ہاشمی'' ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر سید عبداللہ کے تنقیدی عمل کے چار ستون یا اصول ہیں تفتیش، تحقیق، تحلیل
وتجزیہ، آپ ان اصول پر عمل کرتے ہوئے جب تک کسی چیز پر مکمل عبور حاصل
کر کے اس کی تہہ تک نہیں پہنچ جاتے اس وقت تک اس پر کسی قسم کی تنقید کرنا جائز
نہیں سمجھتے اور جب تنقید کے لیے قلم اٹھاتے تو خلوص نیت اور غیر جانبداری کو
ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، کیونکہ ان کا تنقید کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ تنقید
میں نقاد کی نیت اور اس کی ذات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔'' (۴۷)

اس کتاب میں اقبال کے شخصی تاثر سے لے کر ادب سیاست، دین، مغرب اور خطبات تک

کو موضوع بنایا گیا ہے۔
''شخصی تاثر'' کے تحت اقبال دیدہ وشنیدہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ پھر ''ادبیات'' کے عنوان کے ذیلی شاخوں میں اقبال کا ادبی فن، تشریح ومطالعۂ اقبال، مسلمانانِ ہند کی ادبیات پر علامہ اقبال کی تنقید پر بحث کی گئی ہے۔ ''اردو شاعری اور نثر'' کے عنوان کے تحت اقبال کی اردو شاعری، اقبال کی اردو نثر، کلام اقبال کا منسوخ حصہ موضوع بنے ہیں۔ اقبال اور ادبیات کا ایک ممدوح نظیری کی وضاحت کی گئی ہے۔

''تقابلی مطالعات'' دلچسپ عنوان ہے اور اس میں غالب پیشرو اقبال، مطالعہ رومی میں اقبال کا مقام، اقبال وحافظ کے ذہنی فاصلے، شیخ اکبر اور ابن خلدون، فکر اقبال اور فخر رازی، اقبال اور شبستری (ایک تقابلی مطالعہ)، اقبال اور ابن خلدون، فکر اقبال مسلمانوں کی علمی روایت کے تسلسل میں، غایت حیات، ابوریحان البیرونی کا تصور تاریخ، اقبال کی نظر میں اور اقبال اور ابوالکلام آزاد کے ذہنی فاصلے زیر بحث لا کر ڈاکٹر سید عبداللہ نے کتاب کے اس باب کو سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ بنا دیا ہے۔

''(اقبال اور مغرب)'' کے تحت ''خارجی وعصری حملہ مغربیت'' اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت شامل ہیں۔ ''چند استفسارات'' دوسرا اہم ترین عنوان ہے جس کے ضمن میں ''کیا اقبال وجودی (Existenialist) تھے؟ کیا اقبال اشتراکی تھے؟ کیا اقبال محض خوشہ چیں تھے؟ جیسے سوالوں کے مدلل، منطقی اور تفصیلی جواب دئے گئے ہیں۔ ''(خطباتِ اقبال)'' میں'' گلشنِ رازِ جدید'' خطبات کے آئینے میں دیکھا گیا ہے۔ ''(اقبال اور خودی)'' کے عنوان کے تحت خودی اور آخرت، سہل اقبال، خودی کی بوقلمونی، نقطۂ نوری سے ثقافت تک کو پرکھا گیا ہے۔ ''عمومی مطالعات'' میں اقبال کے کلام میں حرم کا تصور اقبال اور معراج النبیؐ، رمز ہجرت اقبال کی نظر میں، اسلامی فقہ کی تدوین نو اقبال کی نظر میں، اقبال کا مرد یقین، فکر اقبال کا مرکزی نقطہ، بازیافت، ملی وجود کے تین بڑے دشمن نئے پرانے، اسلامی وحدت کے تین داخلی دشمن، ضعف قوائے ملی کا علاج، اقبال اور سائنس، اقبال کا سیاسی تفکر، اقبال کا مدرسۂ تعلیم، اقبال شیدائے فطرت یا حریف فطرت، اقبال کا مطالعہ فطری نگاری، اقبال کا پسندیدہ انسان، اقبال کے نظریہ علم کے چند پہلو، اقبال کا تصور پیکار، اقبال اور قومیت، اقبال کا برتر معاشرہ، اقبال کے غیر ملکی مداح نقاد، اقبال مزعومہ تضادات، جیسے اہم موضوعات کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ ''اقبال اور ان کے بعد'' میں اقبال کے فوراً بعد (اثرات کی سرگزشت) اور اقبال آج ہی یا کل بھی؟ جیسا اہم نکتہ اٹھایا گیا ہے۔ آخری حصے میں تبصرے، دیباچے اور انٹرویو شامل ہیں اور متفرقات کی ذیل میں انگریزی مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ اس ترتیب وتفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ

یہ اقبال پر مستقل اور اہم نوعیت کی تحقیق وتنقید ہے جسے اقبالیات کے ضمن میں خاص مقام ومرتبہ ملے گا۔
اس کتاب میں اقبال کا دیگر اکابرین سے تقابلی تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ نے جس بصیرت، علمیت، تدبر اور توازن کا مظاہرہ کیا ہے وہ آج کے ناقدین کے لئے مشعل راہ کا درجہ رکھتا ہے۔ ابن خلدون اور اقبال کے نظریات کے بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''ابن خلدون کا نصب العین صرف صحت واقعہ کا تعین (تمثیلی طریقے سے) اور فرد واجتماع کی طبیعت (نیچر) اور اسکے تصرفات کا ایک نقشہ کھینچنا ہے، اور بس اس کے برعکس اقبال کے نزدیک اصلی مقصد ایک دینی معاشرتی نصب العین ہے، جس کی تجدید وتشکیل عصر حاضر کے حوالے سے مدنظر ہے۔۔۔۔۔۔اس لحاظ سے اقبال پہلے بڑے مسلم مفکر ہیں جو سائنسی علمی بنیادوں پر مسلمانوں کی ثقافت کے شارح ہیں۔ بلکہ اس کے فلسفی، تشخیص کنندہ اور آگے کے رہنما ہیں۔ اس فقرے سے اوّلون وسابقون میں سے کسی کی تنقیص مقصود نہیں، مقصد صرف یہ ہے کہ سابقون کی مثال سے لوگوں کی ہے جو شباب کی منزلوں سے گذر رہے ہوں، بزرگوں کی نظر چند ظاہری کمزوریوں پر پڑتی ہے جسکا علاج وہ وعظ وتذکیر سے کر لیتے تھے۔ اقبال کا دور، مسلمانوں کی شوکت وقوت کے انحطاط کا دور تھا، اس لیے اُنھوں نے جدید ترین کمزوریوں کے عمیق اسباب کا تجزیہ کیا ہے۔''(۳۸)

اسی طرح خودی کے سلسلۂ عمل کی توضیح کرتے ہوئے اُنھوں نے اقبال کے بنیادی خیال کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ خودی کے عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کا مؤقف یہ ہے کہ خودی کا عمل تخلیق مقاصد سے وابستہ ہے۔ یعنی اعلیٰ مقاصد حیات کی آرزو اور ان کے لئے جدوجہد خودی کا خلاصہ ہے۔ نیچر کی حد تک یہ مقاصد نیچر کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ انسان بھی نیچر سے آزاد نہیں مگر اس کے عمل کی حدیں بہت وسیع ہیں۔ کیونکہ اس کی صلاحیتیں خصوصاً حرکت کی قوت اور تجزیے اور تنظیم نو کی صلاحیت انسان سے مخصوص ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اعلیٰ مقاصد حیات کیا آرزو، قلب انسانی میں پیدا کیوں ہوتی ہے۔ اول اس قدرتی جوش حیات سے جو کائنات کے ذرے ذرے میں نظر آتا ہے۔ یہ خواہش نمو خود بخود ارتقاء اور تکمیل کے مراحل طے کرتی ہے۔ جو بیج سے درخت اور گل پھول لانے کا باعث ہے۔ نسل ونوع کو بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ محرک فطری ہے۔ اسے اقبال کے مطابق نقطۂ نوری کا نام ملا ہے۔

اسے برگساں نے جوش حیات کہا ہے۔ یہ عطیہ ربانی ہے جو ہر شے کو عطا ہوا ہے۔ یہ آرزو کا منبع اوّل ہے۔ اقبال کے کلام میں عشق بھی اسی کا نام ہے۔

دوسری چیز جو آرزو کی خالق اور اس کو تقویت دینے والی ہے وہ انسان کا یہ احساس ہے کہ دنیا میں اس کے ہمسر اور بھی ہیں۔ ان سے فائق ہونے کا جذبہ بنیادی ہے۔ میکڈوگل نے جن انسانی جبلتوں کی فہرست تیار کی ہے اس میں غلبہ پانے کی جبلت بھی شامل ہے۔ یہ جبلت انفرادی ہونے کے باوجود دراصل اجتماع سے وابستہ ہے۔ برتر انسانوں کے ٹکراؤ کے لئے جو شعوری اور اخلاقی میلان ہے۔ اس کے لئے ذوق تسخیر کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے وہ اس اجتماعی حس سے فرد واحد کی حد تک بھی مستفید ہوتا ہے۔ اور جماعتی دائرے میں جماعتی مقاصد کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور جماعت اپنے مقاصد اپنے ماحول سے حاصل کرتی ہے۔ یہ حس قوی بھی ہو سکتی ہے اور کمزور بھی۔ اس طرح یہ حس اگر چہ جبلی اور فطری ہوتی ہے۔ فکر ارادے اور شعور سے اس کے استحکام کی صورتیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اور استحکام کے ساتھ اس کی رائیں بھی متعین کی جاسکتی ہیں۔ یہیں سے تعلیم اور تربیت کا پتہ چلتا ہے جو خودی کے استحکام اور اس کو عادلانہ عمل کی طرف لے جاسکتی ہے۔

علامہ اقبال کے نظام فکر میں تضادات کی نشاندہی اور ان کا بھرپور دفاع کتاب کے ایک اہم باب ''اقبال کے مزعومہ تضادات'' میں ملتا ہے۔ یہ باب اختصار اور جامعیت کا نمونہ ہے۔ بنیادی طور پر ڈاکٹر سیّد عبداللہ محقق تھے تنقید کرتے ہوئے بھی وہ بڑی سوچ بچار اور چھان پھٹک کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچتے تھے۔ اور حکم صادر کرنے سے پہلے موضوع کے ہر پہلو پر غیر جانبداری سے نظر ڈالتے۔ پھر ایسے ٹھوس دلائل سے اپنی بات پیش کرتے کہ پڑھنے والا خود بخود قائل ہو جاتا۔ وہ اس راز سے خوب واقف تھے کہ نقاد کی نیت اہم ہے اگر اس کی نیت غیر جانبداری سے سچائی کی کھوج لگانا ہے تو پھر اس سے تنقید عمل مثبت ہی ہوگا۔ سیّد عبداللہ جوش و جذبات کا سہارا لیے بغیر اپنی بات کو پوری سچائی اور دیانتداری سے بیان کرتے جس سے ان کے بیان کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا۔

انھوں نے موضوع کی مطابقت اور مناسبت سے ہر ادبی رجحان سے استفادہ کیا ہے۔ ان کا رویہ اور انداز تنقید لچک دار تھا۔ نفسیات، سماجیات، سیاسیات اور ادبیات کا باہمی تعلق اور ان سے پیدا شدہ نتائج وامکانات پر انھیں گہری بصیرت حاصل تھی۔ اگر مختصراً سیّد عبداللہ کی تنقید کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا تنقیدی مزاج تہذیبی، ثقافتی تناظر میں ادب کی پرکھ کا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علوم حاضرہ سے استفادہ کو اہمیت دیتے تھے وہ اپنے ذہن کے دروازے ہر علم وفن کے لئے کھلے رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی

تجزیاتی آنکھ پر کسی تعصب کی عینک نہیں ملتی۔ اس لحاظ سے ان کی حیثیت قدیم وجدید ناقدین کے درمیان مزید بڑھ جاتی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کو لسانیات، ادبیات، شاعری، نثر، علمی تحریکات، سیاسی وملی شعور کے ارتقاء اور علوم شرقیہ سے یکساں دلچسپی تھی۔ اس لیے ایک طرف وہ ولی سے اقبال تک کے شعراء کو موضوع بناتے تو دوسری طرف سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء ان کے خصوصی مطالعے میں شامل تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی، ثقافتی اور تعلیمی مسائل پر پر مختصر مقالے اور مستقل کتابیں لکھیں۔ ان کی دلچسپی کا میدان وسیع اور ان کی نگاہ باریک بین تھی۔ مشرقی علوم وروایات کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہتے تھے۔

وہ مغربی علوم تمدن سے اخذ کردہ ایسے اجزاء کے قائل تھے جو ہمارے اخلاقی و ذوقی مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔ اس طرح وہ فطری انداز میں تبدیلی اور لچک کا راستہ کھلا رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی ادب کے تاثر کو مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ مغربی ادب سے دل کی کلی نہیں کھلتی کیونکہ اپنا تو سراغ ہی ہاتھ نہیں آتا۔ وہ اس بات پر اصرار کرتے کہ سرسری نظر سے مغربی دنیا واقعی جنت معلوم ہوتی ہے اور کسی حد تک ہے بھی، مگر کسے معلوم کہ ان جنت والوں کے پیچھے پیچھے مغرب میں ایک قطار ضمیر دار مفکروں کی بھی ہے جو مغرب کے روحانی افلاس اور بے قید حیوانیت پر زار وقطار رو رہی ہے۔ آج اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغرب میں دولت، جنس، اقتدار کی ہوس کے سوا کسی کے پاس کوئی سرمایہ حیات نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نہ صرف اس حقیقت کا ادراک رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس مسئلے کو تہذیبی واخلاقی سطح پر اپنا خصوصی موضوع بنائے رکھا۔

سید صاحب نے اگرچہ تحقیق وتنقید دونوں میں بیک وقت طبع آزمائی کی۔ تاہم انہوں نے خالص تحقیقی مقالات بھی لکھے ہیں جن میں شعرائے اردو کے تذکرے''شہر آشوب کی تاریخ، اور تخلص کی رسم اور اس کی تاریخ، جیسے مقالات شامل ہیں۔ خالص تنقیدی کتابیں اور مقالات تو بے شمار ہیں سیاسی، سماجی ثقافتی موضوعات بھی ان کے پسندیدہ رہے۔ اردو ناقدین میں سید عبداللہ کی اعتدال پسندی اور وضع داری مابہ الامتیاز ہے۔ انہوں نے اقبال وحافظ، ابوالکلام اور سرسید واکبرالٰہ آبادی کے درمیان جس طرح ثالثی کے فرائض انجام دیئے اردو کا کوئی دوسرا نقاد اس طرح کامیاب نہیں ہوسکا۔ خود سید عبداللہ کو اس بات کا احساس تھا کہ ثالثی ایک مشکل فریضہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''میں جانتا ہوں کہ صفائی کی یہ کوشش دل کی صفائی اور ہاتھ کی صفائی کے باوجود بعض اوقات ناگوار ہی ثابت ہوتی ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ایسی صفائی سے

بعض اوقات مصالحت کرنے والے کا اپنا ہی صفایا ہو جایا کرتا ہے۔'' (۴۹)

اردو کے کئی ناقدین ایسے بھی ہیں جن کا تنقیدی شعور منجھا ہوا ہے اور بحیثیت نقاد وہ مشرق و مغرب کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں مگر وہ اپنی بات کو دلیل سے ثابت کرنے کی بجائے انشاء پردازی کا سہارا لیتے ہیں اور ظاہری چمک دمک اور دلکش اسلوب بیان سے قاری کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ ظاہری چمک دمک زیادہ دیر پا ثابت نہیں ہوتی اور طرز نگارش کا جادو اترتے ہی دلائل کے بودے پن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ایسے حربوں کا استعمال نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ بات سادگی اور دلیل کے ساتھ دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔

معاشرتی اقدار کا تحفظ اور پاکستانی کلچر کا تصور

ڈاکٹر سید عبداللہ کی تصنیفی زندگی کا بڑا حصہ معاشرتی محاذ پر روایتی اقدار کی پاسداری میں گزارا۔ اُنھوں نے بے شمار تنقیدی مقالات اور مستقل کتابیں اس موضوع پر لکھیں۔ تاریخ، اسلام، سیاسیات اور سماجیات کے ساتھ ساتھ کلچر کے مسائل زیر بحث آئے۔

''مغرب کی بیسویں صدی، کجروی اور مسخ انسانیت کا دور''

ہماری جدیدیت، حدود اربعہ اور مفہوم اور منزل، اسلام اور ماڈرنزم، پاکستانی ثقافت کے خدوخال، پاکستانی کلچر کا مسئلہ، پاکستانی کلچر، تخلیق پاکستان کے ثقافتی محرکات، اردو ادب میں پاکستانیت کا مسئلہ، جیسے اہم مقالات وقتاً فوقتاً مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے۔ پاکستان (تعمیر و تعبیر) ایک اہم مستقل کتاب ہے جسے مکتبہ خیابان ادب نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ کلچر کا مسئلہ'' ایک ایسی تصنیف ہے جو اس موضوع کے ہر پہلو پر جامع و مفصل مباحث لئے ہوئے ہے۔ غلام علی اینڈ سنز ... نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کا تعلق ایسی نسل سے تھا جو روایات کی پاسداری کی امین تھی۔ اُنھیں احساس تھا کہ جڑ کے بغیر درخت کا وجود ممکن نہیں۔ اس لئے اپنی معاشرتی اقدار کے احیاء کے لئے شعوری اور لاشعوری سطح پر برسرپیکار رہے۔ کلچر کی وضاحت کرتے ہوئے وہ بڑے عمدہ انداز میں اس موضوع سے متعلق دیگر پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ کلچر کے لئے قوم کا ہونا لازمی ہے۔ قوم سے مراد کوئی اجتماع انسانی جو بعض مشترک عقائد و احساسات سے متاثر ہو کر سلطنت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ تاکہ اپنے عقائد کی حفاظت کر سکے۔ اس ضمن میں ایک لفظ تمدن بھی سننے میں آتا ہے۔ تمدن کسی قوم کی پوری منظم

زندگی کو کہتے ہیں۔ جس میں وہ سب چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ جن میں ضابطہ یا قانون چلتا ہے۔ مثلاً مذہب، سلطنت، بین الاقوامی قوانین، ضابطے، نیز رسوم ورواج وغیرہ۔ قوموں کا تمدن جب ترقی کرتا ہے تو اس کے اندر ایک خاص طرز زندگی اُبھرتا ہے۔ جس میں حسن اور خوبصورتی کے انداز ہوتے ہیں اور قوم کے افراد بحیثیت مجموعی اور بے ساختہ طور پر ایک یک رنگی میں رنگ جاتے ہیں۔ اسی کو کلچر کہتے ہیں۔ کلچر رہنے سہنے کی عادتوں اور طریقوں کا نام ہی نہیں بلکہ کلچر کسی قوم یا اجتماع کی حسین اور تربیت یافتہ عادتوں کو کہتے ہیں۔ جن کی تشکیل اول داخل میں ہوتی ہے۔ ان عادتوں میں جن میں قانون کا جبر شامل نہیں ہوتا بلکہ خاص افکار وعقائد بعض مخصوص سماجی احوال ومذہب یا سلطنت کے خاص اثرات کے تحت بے ساختہ طور پر سب افراد میں وہ عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔

گویا جبریہ طور پر منظم اور باضابطہ زندگی کو چھوڑ کر کلچر میں زندگی کے جملہ آزاد مشاغل تقریبات، تفریحات اور عادات وذوقیات شامل ہیں۔ رہن سہن کے طریقے کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب، باہمی برتاؤ اور نباہ، تفریح کے انداز، ذوق وذہن کے اظہار کے ڈھنگ، علم سے بناہ کرنے کے طریقے، ادب وفنون سبھی کلچر کا حصہ ہیں۔ اس تعریف کی روشنی میں جب پاکستانی کلچر پر نظر ڈالی جائے تو اس کی واضح تشکیل وصورت نظر نہیں آتی۔ یہ دور تغیرات کا دور ہے۔ آئندہ ہماری ثقافت کا رخ کیا ہوگا یہ ابھی طے نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض مرکزی اور بنیادی رنگ ابھی سے موجود ہیں۔ جو مذہب اور تاریخ کے بخشے ہوئے ہیں۔ مگر اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے کلچرل فرنٹ پر ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں کہ پرانی ثقافت کے بہت سے آثار مدہم یا مسخ ہو گئے ہیں۔ یہی حال اس نئی ثقافت کا ہے جو ہمارے بااقتدار اور تعلیم یافتہ طبقے کی زندگیوں میں رواج پا رہی ہے مگر ہے وہ بھی ادھوری، اس لئے کہ اس کے پیچھے نقالی کے سوا کچھ نہیں۔ قوم کا تہذیبی شعور اور اصلی مزاج اس میں بہت کم حصہ لے رہا ہے، موجودہ حالات میں پاکستانی کلچر کے تین اجزائے ترکیبی ہیں۔

۱۔ اسلام کے آداب معاشرت جو مسلمانوں کے پرسنل لاء، اعتقادات اور قرآنی اخلاق اور سنت نبویؐ سے پیدا ہوئے۔

۲۔ لوکل اور مقامی طریقے جو کچھ تورانیوں، مغلوں اور ایرانیوں کے طرز زندگی سے بچ بچا کر ہم تک پہنچے ہیں۔

۳۔ مغربی ثقافت کے اثرات

ہمارا موجودہ کلچر انہی عناصر کا ملغوبہ ہے۔ جمہور کا مذاق مذہبی ہے۔ وہ عملاً یا ذہناً ہر چیز کو مذہب سے

ملانا اور اسی سے سدھارنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس انگریزی دان جماعت کی اکثریت نئی اقدار کا نام لے کر زندگی کو مغرب کے طور طریقوں سے وابستہ کرنا چاہتی ہے۔ ان کے درمیان ایک تیسرا گروہ وہ بھی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بہا چلا جاتا ہے۔ غرض انتشار کے باعث تنقید کی ضرورت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ تاکہ قومی وحدت اور یک رنگی کا راستہ نمودار ہو سکے۔ قومی وحدت ملک کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔ قومیں وحدت اور یک رنگی سے پہچانی جاتی ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو تو قوم قوم نہیں، بھیڑ رہ جاتی، ضرورت سے بڑھی ہوئی علاقہ پرستی بھی مانع وحدت ہے۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ علاقوں کے مختلف رنگ اپنی نمود دکھا کر آہستہ آہستہ مشترکہ قومی پاکستانی ثقافت میں جذب ہو جائیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سب سے پہلے ملکی زندگی کے خوبصورت اور صالح حصوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ یہ زندگی وہ ہے جو عوام اور جمہور کی زندگیوں میں ابھی پیوست ہے۔ اگرچہ مغربی زندگی کی چمک کے مقابلے میں اس طرزِ معاشرت کا رنگ پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ یہ زندگی سادہ بھی ہے اور کم خرچ بھی۔ مقامی میلے، تہوار، مشاغل اور وہ تقریبات جن میں عوام کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ شہری اور مغربی قسم کی تفریحات کے مقابلے میں سہل الحصول اور بے ضرر ہیں۔ سجاوٹ کی وہ ملکی چیزیں جو پہلے عام ہوا کرتی تھیں، ان کی دوبارہ ترویج کی جائے اور اہلِ ملک ان کو دوسری چیزوں کے مقابلے میں ترجیح دیں۔ غرض اس ملکی عنصر کو بنیادی چیز مان کر اختراع وایجاد کی قوت سے ان کو حسین سے حسین شکلوں میں تبدیل کیا جائے تاکہ ملکی طبائع کا جوہر کھلے اور زندگی کی سلیقہ مندی میں اضافہ ہو۔

ڈاکٹر سید عبداللہ مغربی ثقافت کی یلغار کی ممانعت نہیں کرتے بلکہ طریقے اور توازن کے ساتھ اس کے اہم اور عمدہ عناصر کو اپنی ثقافت کا حصہ بنانے کی تجویز دیتے ہیں۔ اس طرح اُنھوں نے نہ صرف مصلح کا کردار انجام دیا بلکہ متوازن ہونے کا ثبوت بھی دیا۔ ان کے نزدیک مغربی ثقافت کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اُنھیں کوئی خوف وخطرہ لاحق ہو۔ لیکن اس کے لئے شرط لازم یہ ہے کہ ہمارا اپنا فکری اور ذہنی مرکزِ ثقل اپنی جگہ پر قائم ہو۔ اس ضمن میں اقبال کے حامی و مؤید ہیں کہ:

دل ہو یک بین و یک اندیش تو پروا کیا ہے
بے خطر دیدۂ بے تاب کو ہر جائی کر

یہ تو مسلمانوں کی تہذیبی تاریخ کا عام مزاج رہا ہے کہ وہ جہاں گئے اُنھوں نے مقامی اور اجنبی موادِ زندگی سے فیض اُٹھایا۔ یہ ضرور ہے کہ اس پر فکری مہر اپنی ہی لگائی۔ وہ مختلف علوم وفنون میں مسلمانوں کی انفرادیت کی لہر کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

"آپ کو معلوم ہے یہ مینار ہم نے کہاں سے لیے، یہ محراب کدھر سے آئے، یہ گنبد کیونکر فروغ پذیر ہوئے، یہ ہندسہ، یہ ریاضی ہم نے کہاں سے سیکھیں۔ یہ بوطیقا ہم میں کدھر سے آن ٹپکا۔ یہ سب بیرونی مواد ہے جس پر مسلمانوں نے اپنا ٹھپہ اس زور سے لگایا کہ اب کسی اور کا نقش موہوم بھی اس پر باقی نہیں۔"

اس طرح ڈاکٹر سیّد عبداللہ مغربی ثقافت کو اپنے ملک اور قوم کے لئے ایک تجربہ اور امتحان دانش و عقل قرار دیتے ہوئے اس کے تازہ دم اور نوجوان رویۂ حیات سے مستفید ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُنھیں اس بات کا رنج تھا کہ ہمارے ہاں نقالی کا رجحان زوروں پر ہے اور حسنِ استفادہ کم۔ وہ کلچر کے معاملے میں وسیع النظری کے قائل تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ پاکستانیت کی شناخت اور اس کے خدوخال کو سنوارنے کی خواہش بھی رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر ان کے مطابق ہماری قومیت کی بنیاد معنوی طور پر اسلام ہے۔ لہٰذا کلچر کے ظاہری نشانات میں اسلامی ارکان و آداب کا لحاظ از بس ضروری ہے۔ ورنہ جس قوم کا اپنا کلچر نہیں، اس کی قومیت بھی محض خیال ہوتی ہے۔

افسوس اور حیرت اس بات پر ہوتی ہے۔ کہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے یہ باتیں تقریباً بیس برس قبل لکھیں، لیکن آج بھی کلچر کی شناخت کے ضمن میں ہمیں انہی مسائل کا سامنا ہے جو اُس وقت تھا۔ بلکہ انتشار اور مغرب کی اندھادُھند تقلید میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

ناقدین کی آراء

ڈاکٹر وحید قریشی

قدیم ادب کے گہرے مطالعے اور انگریزی ادبیات (خصوصاً تنقیدی ادب) سے ان کے لگاؤ نے انہیں محض انہیں اردو تک محدود نہیں ہونے دیا۔ ان کا شمار ان چند نقادوں میں کیا جا سکتا ہے جنہوں نے مشرق ومغرب کے تنقیدی سرچشموں سے استفادہ کر کے اپنا راستہ بنایا ہے"

ڈاکٹر سجاد باقر رضوی

سیّد صاحب ایک عمدہ ایڈمنسٹریٹر، بالغ نظر محقق، شفیق استاد اور رہنما، اچھے دوست اور نفیس اور باذوق تھے۔

شمیم احمد

''ڈاکٹر سیّد عبداللہ ہمارے اقدار سے تہی اور نصب العین سے خالی معاشرے میں خود ایک قدر اور ایک نصب العین کا درجہ رکھتے ہیں۔ خلوص محنت، لگن اور بے غرضی مگر نام ونمود کی خواہش سے عاری ایسی شخصیت ہمارے لیے باعث فخر بھی ہے اور طمانیت کا سبب بھی۔"

سیّد ذوالفقار حسین بخاری

''بحیثیت نقاد ان کی ایک اور خوبی قابل قدر ہے۔ ان کی عادت ہے کہ جب وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے لگتے ہیں تو بالعموم اس پر پہلے لکھنے والے کے خیالات کو سامنے رکھتے ہیں اس کے بعد وہ ایک نئی چیز پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ قاری کو یہ ہوتا ہے کہ اسے متعلقہ موضوع پر دیگر ناقدین کی آراء کا بھی علم ہو جاتا ہے۔"

امین الحق ہاشمی

ڈاکٹر سید عبداللہ بحیثیت ایک نقاد کے کسی ادب پارے کو پرکھنے کے لیے جہاں تنقید کے چند جچے تلے اصولوں کو کام میں لاتے ہیں۔ وہاں وہ تنقید کرنے سے قبل تحقیق کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔"

میرزا ادیب

ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا ایک خاص وصف اور بہت نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ کہیں بھی اظہار رائے میں، انتقاد وتبصرہ میں اعتدال اور توازن کا دامن نہیں چھوڑتے۔ ذکر کسی تحریک کا ہو یا کسی شخصیت کا جذباتی شدت کہیں بھی ان کا قلم تھام نہیں سکتی۔

ڈاکٹر انور سدید

سید صاحب نے اردو کے لیے سپاہی کی زندگی گزاری وہ اس کے لیے اگلے موچوں پر لڑائی لڑتے رہے۔ ان پر جس روز فالج کا حملہ ہوا اس روز بھی وہ اردو کا ہی کام کر رہے تھے۔

پروفیسر اسلم انصاری

سید صاحب اردو زبان وادب کے ان استادوں میں سے تھے جنہوں نے یونیورسٹی کی سطح پر اردو زبان وادب کی تدریس کے لیے علمی اور فنی بنیادیں فراہم کیں وہ اردو کے واحد نقاد ہیں جنہوں نے اردو ادب کی تحسین وتنقید کے معیار خود اردو ادب کے باطن سے برآمد کیے اور یہ آسان کام نہیں تھا وہ عمر بھر کی تحقیق کے کوہ بے ستون سے علم وآگہی کی جوئے شیریں بہا کر لاتے رہے، تا کہ تشنگان علم سیر ہو سکیں۔

ڈاکٹر شفیق الرحمان

سید صاحب جیسے عظیم دانشور اور اہل قلم صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ جتنے بڑے ادیب

تھے اتنے ہی بڑے انسان اور اہل دل بھی تھے۔ انہوں نے زندگی بھر علم اور ادب کی آبیاری کی پاکستان کے ہر علاقے اور ہر خطے میں ان کا ایک عالم اور محقق کی حیثیت سے بہت احترام کیا جاتا تھا۔ مرحوم یوں تو کئی ایک انجمنوں کے بانی اور سرپرست تھے لیکن اکادمی ادبیات پاکستان کے ایک اساسی رکن کی حیثیت سے اکادمی کو اپنے نیک مشورے سے نوازتے تھے۔ اکادمی ان کی وفات سے ایک عظیم محسن سے محروم ہوگئی ہے۔''

ڈاکٹر عبادت بریلوی

''ڈاکٹر سیّد عبداللہ میرے رفیق کار تھے تقریباً ۲۸ سال ان کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا اور انہیں بہت قریب سے دیکھا وہ ایک شفیق استاد ایک بلند پایہ محقق اور ایک، اعلیٰ درجے کے نقاد تھے، انہوں نے اپنی تحریروں سے اردو ادب میں گراں قدر اضافے کیے۔ وہ اردو کے محسن تھے اور ساری زندگی انہوں نے اس کو جائز مقام دلانے کے لیے جدوجہد کی انہوں نے اس کو اس کا جائز مقام، دلانے کے لیے جدوجہد کی۔''

احمد ندیم قاسمی

''ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی سی جامع الحیثیات شخصیت کسی بھی ملک کے علم وفن کے لیے باعث افتخار ہوسکتی ہے۔ وہ نہ صرف ایک بے بدل ماہر تعلیم تھے بلکہ بڑے پائے کے نقاد اور محقق تھے اور پھر اردو کے علاوہ انگریزی، فارسی اور عربی زبانوں پر بھی ان کو بھرپور دسترس حاصل تھی۔ میرے خیال میں پنجاب یونیورسٹی میں واحد مثال انہی کی ہے کہ ایک وقت میں انہوں نے اردو اور عربی اور فارسی تینوں زبانوں کے استاد کا منصب ادا کیا۔''

اشفاق احمد خان

ڈاکٹر سیّد عبداللہ ان خوش قسمت انسانوں میں سے تھے جو اپنے اردگرد کے لوگوں اور اپنے عہد کے ماحول کو وسعت پذیر علم عطا کرتے ہیں اور ان کے بند رستوں اور تاریک راہوں کو اجالتے ہیں۔ سیّد صاحب جیسا تجزیاتی محقق آپ کو اردو کی قلمرو میں کم ہی نظر آئے گا۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

مجھے ۴۴ء میں ڈاکٹر سید عبداللہ سے پہلے پہل ملاقات کا اور ایک طالب علم کے طور پر ان کے قدموں میں بیٹھنے کا موقع ملا، مجھے پنجاب یونیورسٹی لاہور کی جانب سے ایم اے کا امتحان ایک سال میں دینے کی اجازت ملی تھی، اس لیے یہ مدت بہت جلد ختم ہوگئی، لیکن اس شاگردی کا یہ رشتہ آج بھی قائم ہے اور جب تک میں زندہ ہوں قائم رہے گا۔

انتظار حسین

ڈاکٹر سید عبداللہ اردو ادب کے بزرگوں میں شاید آخری بزرگ تھے جن کا سایہ ہمارے سر سے اٹھ گیا ہے۔ اب تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے انتقال سے جیسے اردو ختم ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا

سید صاحب کی وفات سے ہم ایک بہت بڑے محقق، نقاد، ماہر تعلیم اور علوم وفنون اسلامیہ کے ایک عظیم ماہر سے محروم ہوگئے ہیں۔ مولوی محمد شفیع اور حافظ محمود شیرانی کی روایت میں یہ آخری بڑے محقق تھے، ان کے بعد یہ دبستان اختتام پذیر ہوگیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر

ڈاکٹر سید عبداللہ کی ذات میں تحقیق اور تنقید کا بہت خوشگوار امتزاج تھا ڈاکٹر صاحب استاد الاساتذہ تھے اور اس وقت ملک میں اردو کے پروفیسرز میں کم از کم چار نسلیں ان سے فیض یاب ہیں۔

عطاء الحق قاسمی

سید صاحب جیسا مشفق، حلیم اور محنتی استاد میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے اور بہت سوں کی طرح ان کے شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

پروفیسر جیلانی کامران

ڈاکٹر سید عبداللہ کی وفات سے ادبیات اردو کی تدریس و تحقیق کی وہ مقتدر شخصیت رخصت ہوئی ہے جس نے پچاس برس سے زائد عرصے تک اردو ادب کی مسلسل خدمت کی۔

ڈاکٹر سید عبداللہ پر تحقیق وتنقید

سوغات (شخصیہ)، بخدمت استاد عالی مرتبت جناب ڈاکٹر سید عبداللہ (مرتبہ ممتاز منگوری) لاہور، مجلس ارادت مندان سید، ۱۹۶۷ء یہاں تمام مضامین اور مقالات کا مجموعہ ہے جو اپریل ۱۹۶۶ء میں سید صاحب کی ساٹھویں سالگرہ پر پڑھے گئے)۔

2. Dr. Syed Muhammad Abdullah
   A biographical Note, by Dr.C.A.Qadir, Lahore
   Maktaba Khayaban-e-Adab, 1976.
3. Bio Data Dr. S.M. Abdullah,
   Lahore, West Pakistan Urdu Academy, 1977
4. A Biographical Note on Dr.Syed Muhammad
   Abdullah, by Dr.C. A.Qadir, Lahore, West
   Pakistan Urdu Academy, 1982.

۵ ''شخصی کوائف نامہ، (از ڈاکٹر سید عبداللہ، لاہور، ادارۂ خیابان ادب، ۱۹۸۲ء

۶ ڈاکٹر سید عبداللہ کی تنقید ''مباحث'' کی روشنی میں۔
غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے اردو۔ از مریم رانی طالب،
شعبہ اردو پشاور یونی ورسٹی۔ پشاور ۲۰۰۵

ڈاکٹر سیّد عبداللہ پر مطبوعہ مضامین

خود نوشت حالات

۱۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ'' از ملک حسن اختر، چٹان لاہور، ۱۲ فروری ۱۹۶۸ء

۲۔ ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' ایضاً ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء

۳۔ ''عبداللہ ملک کا ایک خط ڈاکٹر سید عبداللہ کے نام،
داستان دار و رسن کے ضمن میں''، ایضاً ۳ ستمبر ۱۹۷۳ء

۴۔ ''اردو انجمنوں کا اٹھارھواں اجلاس، ڈاکٹر سید عبداللہ،
متحمل مزاج عاشق اردو، منفرد شخصیت''، از مقبول احمد داؤدی، ۲۶ نومبر ۱۹۷۳ء

۵۔ خود نوشت: ابتدائی حالت''، افکار کراچی، اکتوبر ۱۹۷۳ء
''(دوسرا دور)''، ایضاً، نومبر ۱۹۷۳ء
''تیسرا دور۔ عجائب البلاد لاہور میں) ایضاً دسمبر ۱۹۷۳ء
''علم و تعلیم کا پس منظر۔ علی گڑھ کی یادیں)'' (چوتھی قسط) ایضاً جنوری ۱۹۷۴ء
''چند ماہ جیل میں۔ علم و تعلیم کے مرحلے (پانچواں دور) ایضاً فروری ۱۹۷۴ء
''کچھ اپنے استاد کے بارے میں (چھٹا دور) ایضاً مارچ ۱۹۴۸ء
''ملازمت، تحقیق اور درس و تدریس کے مرحلے (ساتواں دور)''
ایضاً اپریل ۱۹۷۴ء
''پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں (آٹھواں دور)''
ایضاً جون ۱۹۷۴ء
''تدریس کے مرحلے (نواں دور)''، ایضاً جولائی ۱۹۷۴ء

''کچھ اپنی تدریس کے بارے میں (دسواں دور) ایضاً اگست ۱۹۷۴ء

''مناصب، اعزازات، چند محسن، خدمت اردو اور مطالعہ ادب (گیارھواں دور)

ایضاً ستمبر ۱۹۷۴ء

''تصور تعلیم، کلچر، مشرب و مسلک، محسن اشعار (بارھواں دور)

ایضاً اکتوبر ۱۹۷۵ء

تصنیفی ادبی زندگی، مختصر جائزہ (تیرھویں اور آخری قسط)

ایضاً نومبر ۱۹۷۴ء

۶۔ ''استاد مکرم''، ڈاکٹر سید عبداللہ، از اسلم انصار مطبوعہ: فنون، لاہور، نومبر، دسمبر ۱۹۸۶ء

۷۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ، از ملک حسن اختر، مطبوعہ: سیارہ، لاہور، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۶ء

۸۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ، چند باتیں''، از نعیم صدیقی،

ایضاً ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۶ء

۹۔ ''آہ، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ''، از شیخ نذیر حسین، مطبوعہ:

ایضاً ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۶ء

۱۰۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ، شخصیت اور کارنامے'' از ڈاکٹر ملک حسن اختر،

ماہنامہ کتاب لاہور، مطبوعہ: اکتوبر ۱۹۸۶ء

۱۱۔ ''سید صاحب کی کہانی خود ان کی زبانی''، از ڈاکٹر سید عبداللہ،

مطبوعہ: اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۲۔ ''ایک انسان دوست مفکر''، از طاہر مسعود، مطبوعہ: اخبار اردو: اسلام آباد،

جنوری ۱۹۸۷ء

۱۳۔ ''اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر''، از عطاء الحق قاسمی، مطبوعہ:

اخبار اردو اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۴۔ ''اردو زبان کا عاشق بے مثال''، از نسیم شاہد، مطبوعہ: اخبار اردو،

اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۵۔ ''استاد مکرم'' از پروفیسر اسلم انصاری، مطبوعہ: اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۶۔ "بابائے اردو ثانی" از پروفیسر سید حسین شاہ فدا، مطبوعہ: اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۷۔ "پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم منتخب کتابیات"، از سید مبیل احمد رضوی، مطبوعہ: اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۸۔ "تاثرات" (بروفات ڈاکٹر سید عبداللہ) مطبوعہ: اخبار اردو اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء
تاثرات ان کے ہیں۔ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن، ڈاکٹر عبادت بریلوی، احمد ندیم قاسمی، اشفاق احمد خان، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، انتظار حسین، ڈاکٹر صفدر محمود، بانو قدسیہ، ابصار عبدالعلی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر آغا سہیل، ڈاکٹر سلیم اختر، حسن رضوی، عطاء الحق قاسمی، منصور قیصر، پروفیسر حمید رضا صدیقی، خالد شریف، پروفیسر حفیظ الرحمٰن، مہر گل محمد، عبداللطیف اختر، پروفیسر محمد امین، پروفیسر جیلانی کامران، ابرار حسین،

۱۹۔ "ڈاکٹر سید عبداللہ، از ڈاکٹر انور سدید، اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۲۰۔ "ڈاکٹر سید عبداللہ، ایک تعارف" مطبوعہ: اخبار اردو، اسلام آباد جنوری ۱۹۸۷ء

۲۱۔ "ڈاکٹر سید عبداللہ تحریکی مزاج رکاوٹ بن گیا" از پروفیسر وارث میر، مطبوعہ: اخبار اردو، اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۲۲۔ "روشنی کا مینار" از میرزا غالب، مطبوعہ: اخبار اردو اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۷ء

۲۳۔ "آپ بیتی" نقوش، لاہور شمارہ ۱۰۰

۲۴۔ "مخفی کہستانی"، از میرزا ادیب، مطبوعہ: نقوش لاہور، شمارہ ۴۷-۴۸ (شخصیات نمبر)

اخبارات میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ پر خبریں اور کالم

۱۔ "ڈاکٹر سید عبداللہ کو علمی وادبی خدمات پر خراج عقیدت، مطبوعہ: روزنامۂ امروز، لاہور ۲۱ جون ۱۹۸۶ء

۲۔ "ڈاکٹر سید عبداللہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ" مطبوعہ: روزنامہ پکار، اسلام آباد ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء

۳۔ "ڈاکٹر سید عبداللہ" مطبوعہ: روزنامہ جسارت کراچی، ۱۷ اگست ۱۹۸۶ء

۴۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کا انتقال''، مطبوعہ: روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۲ اگست ۱۹۸۶ء

۵۔ ''بروفات حسرت آیات ڈاکٹر سید عبداللہ'' (از ہاشم رضا) مطبوعہ:
روزنامہ جنگ کراچی، ۱۷ اگست ۱۹۸۶ء

۶۔ ''محسن اردو ڈاکٹر سید عبداللہ، مطبوعہ: روزنامہ جنگ لاہور، ۲۳ اگست ۱۹۸۶ء

۷۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کی رحلت''مطبوعہ: روزنامہ جنگ، لاہور ۱۶ اگست ۱۹۸۶ء

۸۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کی یاد میں ادبی کانفرنس''مطبوعہ: روزنامہ حریت، کراچی
۵ ستمبر ۱۹۸۶ء

۹۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ مسلم دنیا میں بھی عظیم سکالر کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے،
مطبوعہ: روزنامہ حریت، کراچی، ۵ ستمبر ۱۹۸۶ء

۱۰۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کو خراج عقیدت''، مطبوعہ: روزنامہ حریت، کراچی،
۲۱ اگست ۱۹۸۶ء

۱۱۔ ''علم وادب کی روشن شمع بجھ گئی'' ڈاکٹر سید عبداللہ نے پوری زندگی فروغ ادب کے لئے
وقف کردی تھی، (از ڈاکٹر ابرار حسین) مطبوعہ: روزنامہ مشرق، لاہور، ۲۲،
اگست ۱۹۸۶ء

۱۲۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ رحلت فرما گئے''، مطبوعہ: روزنامہ مشرق، لاہور، ۱۶ اگست ۱۹۸۶ء

۱۳۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کے انتقال پر اظہار تعزیت''مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت،
راولپنڈی، ۲۳ اگست ۱۹۸۶ء

۱۴۔ ''ادارہ قومی ترقی وخوش حالی کی راہ میں رکاوٹ نہیں، ڈاکٹر سید عبداللہ سکالر تھے،
اردو کے لئے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت،
راولپنڈی، ۳۰ اگست ۱۹۸۶ء

۱۵۔ ''مقتدرہ قومی زبان کا تعزیتی اجلاس''، مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی،
۲۲ اگست ۱۹۸۶ء

۱۶۔ ''اردو زبان میں اپنائے جانے کے لئے تمام صفحات موجود ہیں''، مطبوعہ:
روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۳۰ اگست ۱۹۸۶ء

۱۷۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کی وفات پر صدر ضیاء الحق کا اظہار تعزیت''، مطبوعہ: روز نامہ مشرق، لاہور، ۱۶ اگست ۱۹۸۶ء

۱۸۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ جن کی ذاتِ گرامی سب کے لئے روشنی کا مینار تھی''۔ (از میرزا ادیب) مطبوعہ: روز نامہ نوائے وقت، لاہور ۲۱ اگست ۱۹۸۶ء

۱۹۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ، اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر''، (از عطاء الحق قاسمی)'' مطبوعہ: روز نامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۱ اگست ۱۹۸۶ء

۲۰۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ انتقال کر گئے''، روز نامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۶ اگست ۱۹۸۶ء

۲۱۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کی قومی زبان کے لئے خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی'' مطبوعہ: روز نامہ نوائے وقت، لاہور ۲۸ اگست ۱۹۸۶ء

۲۲۔ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کی یاد میں اکیڈمی قائم کی جائے'' مطبوعہ: روز نامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۳ اگست ۱۹۸۶ء

حواشی

۱۔ سید صاحب کی کہانی خود ان کی زبانی۔ اخبار اردو۔ ۱۹۸۷ء ص ۳

۲۔ ایضاً ایضاً ۱۹۸۷ء ص ۴

۳۔ سوغات۔ مکتبہ خیابان ادب لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۱۳

۴۔ ارمغان پنجاب یونی ورسٹی ۲۰۰۵ء ص ۵۸

۵۔ ادبیات سرحد (جلد سوم) فارغ بخاری ۱۹۵۵ء ص ۵۰۷

۶۔ اورینٹل کالج میگزین۔ ۱۹۸۷ء ص ۳۲

۷۔ ایضاً ۱۹۸۷ء ص ۱۹

۸۔ ایضاً ۱۹۸۷ء ص ۵۳

۹۔ سوغات۔ مکتبہ خیابان ادب لاہور ۱۹۶۷ء ص ۳۵

۱۰۔ ایضاً ۱۹۸۷ء ص ۵۱

۱۱۔ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۸۷ء ص ۷۹

۱۲۔ ایضاً ایضاً ص ۶۳

۱۳۔ ارمغان پنجاب یونی ورسٹی ۲۰۰۵ء ص ۴۸

۱۴۔ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۸۷ء ص ۲۵

۱۵۔ سوغات مکتبہ خیابان لاہور ۱۹۵۷ء ص ۲۹

۱۶۔ ایضاً ۱۹۶۷ء ص ۱۰۵

۱۷۔ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۸۷ء ص ۶۳

۱۸۔ سوغات۔ مکتبہ خیابان ادب لاہور ۱۹۶۷ء ص ۲۹

۱۹۔ اخبار اردو ۱۹۸۷ء

۲۰۔ سوغات۔ مکتبہ خیابان لاہور ۱۹۶۷ء ص ۵۰

۲۱۔ اخبار اردو ۲۰۰۳ء ص ۱۸۲

۲۲۔ ایضاً ۱۹۸۷ء ص ۲

۲۳۔ ایضاً ایضاً ص ۴۸

۲۴۔ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۸۷ء ص ۱۳۴

۲۵۔ اخبار اردو ۱۹۸۷ء ص ۲۳

۲۶۔ اردو ادب کی مختصر تاریخ ص ۶۵۹

۲۷۔ اردو ادب کی ایک صدی دیباچہ ص ۵

۲۸۔ مباحث ۱۹۶۵ء ص ۳۳۴

۲۹۔ اصول انتقاد ادبیات ص ۲۸

۳۰۔ مباحث ۱۹۶۵ ص ۳۳۹

۳۱۔ اشارات تنقید ۱۹۹۳ء ص ۱۲۱

۳۲۔ ولی سے اقبال تک ۱۹۷۶ء ص ۵۶

۳۳۔ طیف غزل ۲۰۰۵ء ص ۹۴

۳۴۔ مباحث ۱۹۶۵ء ص ۴۱۱

۳۵۔ ایضاً ایضاً ص ۵۴۳

۳۶۔ اشارات تنقید دیباچہ ۱۹۹۳ء

۳۷۔ ایضاً ایضاً ص ۲۲۸

۳۸۔ ایضاً ایضاً ص ۲۳۲

۳۹۔ اردو ادب کی ایک صدی ۱۹۸۹ء ص ۶۷

۴۰۔ سوغات ۱۹۶۷ء ص ۱۰۸

۴۱۔ ایضاً ایضاً ص ۶۸

۴۲۔ نقد میر ص ۴۲

۴۳۔ سوغات ۱۹۶۷ء ص۲۹

۴۴۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ص۲۵۴

۴۵۔ اعجاز اقبال ۲۰۰۳ء ص۷

۴۶۔ ایضاً ۲۰۰۳ء ص۳۸

۴۷۔ سوغات ۱۹۶۷ء ص۲۰۸

۴۸۔ اعجاز اقبال ۲۰۰۳ء ص۲۰۰

۴۹۔ چند نئے پرانے شاعر ص۱۳۹

۵۰۔ اخبار اردو۔ ۱۹۷۸ء ص۵۰

کتابیات

۱۔ اخبارِ اردو (اسلام آباد) محسن اردو نمبر جنوری ۱۹۸۷ء

۲۔ اخبارِ اردو (اسلام آباد) سید عبداللہ اور اردو تحریک جولائی ۲۰۰۳ء

۳۔ اردو ادب ۱۸۵۷ء تا ۱۹۶۶ء، ڈاکٹر سید عبداللہ، مکتبہ خیابان ادب لاہور۔ ۱۹۶۷ء

۴۔ اردو ادب جنگ عظیم کے بعد۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، اردو اکیڈمی پنجاب لاہور۔ ۱۹۴۱ء

۵۔ ادبیاتِ سرحد۔ فارغ بخاری، نیا مکتبہ محلہ خداداد، پشاور ۱۹۵۵ء

۶۔ ارمغان۔ سید عبداللہ نمبر، پنجاب یونی ورسٹی لاہور۔ ۲۰۰۵ء

۷۔ اشاراتِ تنقید۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، خیابان ادب لاہور ۱۹۶۶ء

۸۔ اعجازِ اقبال۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۳ء

۹۔ خود نوشت۔ از ڈاکٹر سید عبداللہ۔ مطبوعہ: افکار، کراچی، نومبر ۱۹۷۳ء

۱۰۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کا فکری و فنی جائزہ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۱ء

۱۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ''مباحث'' کی روشنی میں۔ غیر مطبوعہ: مقالہ برائے ایم اے اردو از مریم رانی شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی ۲۰۰۵ء

۱۲۔ سنگ میل (سرحد نمبر) نیا مکتبہ پشاور۔ ۱۹۵۰ء

۱۳۔ سوغات، شخصیہ مرتبہ: ممتاز منگوری۔ مکتبہ خیابان ادب لاہور۔ ۱۹۶۷ء

۱۴۔ شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، مکتبہ خیابان ادب لاہور ۱۹۶۸ء

۱۵۔ کتابیاتِ اردو املاء اور دوسرے مسائل، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ نظرثانی از جمیل احمد رضوی۔ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔ ۱۹۸۶ء

۱۶۔ مباحث۔ڈاکٹر سید عبداللہ،مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء

۱۷۔ مسائل اقبال۔ڈاکٹر سید عبداللہ ،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۴ء

۱۸۔ مقاصد اقبال۔ڈاکٹر سید عبداللہ،علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۱ء

۱۹۔ مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ۔ڈاکٹر سید عبداللہ،مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۴ء

۲۰۔ نقد میر۔ڈاکٹر سید عبداللہ،مکتبہ خیابان ادب لاہور ۱۹۶۸ء

۲۱۔ ولی سے اقبال تک۔ڈاکٹر سید عبداللہ،خیابان ادب لاہور ۱۸۷۶ء

۲۲۔ یونی ورسٹی اورینٹل کالج کے اساتذہ کا تحقیقی ادبی اور درسی سرمایہ۔
مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی۔ مطبوعہ: یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۷۴ء

23. Bio Data, Dr. S. M. Abdullah West Pakistan Urdu
Academy Lahore. 1977.

24. Publications of Punjab University Academy Staff
(Upto 1981) Compiled by Dr. Khalid Hamid Sheikh.
Lahore. University of Punjab. 1982.

ISBN-978-969-472-222-1

اکادمی ادبیات پاکستان